ماہنامہ محدث بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۳۰
جلد: ۲۹ ، شمارہ: ۶

رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
جون ۲۰۱۱ء

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالسلام مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۴
۴-زبان کی حفاظت	الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل	۹
۵-دارالحدیث رحمانیہ دہلی.....	مولانا اسعد اعظمی	۱۳
۶-غصہ مت کیجئے	مولانا عبدالمتین مدنی	۱۸
۷-شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ.....	مولانا محمد مستقیم سلفی	۲۲
۸-اسلام کی روح نماز	شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز	۲۷
۹-خلوص وللّٰہیت اعمال عبادت میں	مولانا عبدالرحیم ریاضی	۳۰
۱۰-ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری.....	مولانا محمد مظہر الاعظمی	۳۳
۱۱-ملک وقوم کی صلاح وفلاح.....	محمد اسامہ محمد سلمان	۳۶
۱۲-پاکدامنی: مفہوم واہمیت	سعید الرحمٰن عبدالمجید سلفی	۴۱
۱۳-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۴
۱۴-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۵-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۶

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

زندگی کوموت سے پہلے غنیمت جانو

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ، لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ، مِّنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ، تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا، إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا، وَنَرَاهُ قَرِيبًا، يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ، وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ، وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا، يُبَصَّرُونَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ، وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ، وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ، وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنجِيهِ، كَلَّا إِنَّهَا لَظَى، نَزَّاعَةً لِّلشَّوَى﴾ (سورہ معارج:۱-۱۶)

ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کے بارے میں سوال کیا جو واقع ہونے والا ہے، کافروں پر جسے کوئی ہٹانے والا نہیں ہوگا، (یہ) اس اللہ کی طرف سے جو بلندیوں والا ہے جس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے، پس تو اچھی طرح صبر کر، بیشک یہ لوگ اس (عذاب) کو دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں، جس دن آسمان مثل تیل کے تلچھٹ کے ہو جائے گا، اور پہاڑ مثل رنگین اون کے ہو جائیں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (حالانکہ) ایک دوسرے کو دیکھا دیئے جائیں گے، گناہ گار اس دن عذاب کے بدلے فدیہ میں اپنے بیٹوں اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی اور اپنے ان کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا، (بلکہ) روئے زمین کے سب کو دینا چاہے گا تاکہ یہ اسے نجات دلا دے، (مگر) یہ ہرگز نہ ہوگا، یقیناً وہ شعلہ مارنے والی آگ ہے جو چمڑیوں کو کھینچ لے گی۔

یہ سورہ معارج کی ابتدائی آیتیں ہیں، جو مکی دور میں نازل ہوئیں، اللہ کے رسول محمد ﷺ روز محشر سے لوگوں کو آگاہ کرتے اور اللہ کے عذاب سے بچنے کی تلقین کرتے اور اللہ کی طرف سے اتاری گئی شریعت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے اور دوسری زندگی کی کامیابیوں کے حصول کے لیے جدوجہد کرنے کی تعلیم دیتے، جس پر کفار آپ کا مذاق اڑاتے، اللہ تعالی نے آپ کو صبر کرنے کو کہا اور قیامت کی ہولناکیاں بیان کر دیں۔

اس دن اللہ تعالی دنیا میں ساتھ رہنے والوں کو آپس میں ایک دوسرے کو پہچنوا دیں گے، کوئی کسی کو بچا نہ سکے گا بلکہ حالت یہ ہوگی کہ لوگ چاہیں گے کہ ہم فدیہ میں ان سب کو دے کر عذاب سے بچ جائیں۔

اللہ کا فیصلہ ہونا یقینی ہے، اس دن کس کے کیا کام آئے گا؟ جنت وجہنم میں کون جائیں گے؟ ان سب کو اللہ تعالی نے بتلا دیا ہے۔

کاش! ہم اللہ کے فرمان پر دھیان دیں اور دوسری زندگی کی فکر کریں۔ اللہ تعالی ہمیں مومن اور متقی بنائے اور دوسری زندگی کی کامیابی کے لیے اس دنیا میں عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ ☆☆

درس حدیث:۱۴۶

سیدالاستغفار

تحریر:مولانا عبدالسلام مدنی/استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن شداد بن بن أوس، قال: قال رسول الله ﷺ: سيد الاستغفار أن تقول: اللهم أنت ربي، لا إله إلا أنت، خلقتني وأنا عبدُك، وأنا على عهدِك ووعدك ما استطعتُ، أعوذ بك من شر ما صنعتُ، أبوءُ لك بنعمتك عليّ، وأبوءُ بذنبي فاغفر لي، فإنه لا يغفر الذنوبَ إلا أنت.

قال: ومن قالها من النهار موقنا بها فمات من يومه قبل أن يمسي فهو من أهل الجنة، ومن قالها من الليل، وهو موقن بها فمات قبل أن يصبح فهو من أهل الجنة. رواه البخاري (مشكاة ج ١ ، ص ٢٠٤)

قال صاحب المرعاة ؒ : رواه البخارى في أوائل الدعوات، وأخرجه أيضا في الأدب المفرد، وأخرجه أحمد. (وغيرهما) (مرعاة ج ۷، ص ۵۱۹)

ترجمہ: حضرت شداد بن اَوس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سیدالاستغفار یہ ہے کہ تو پڑھے: اللهم أنت ربي ..... إلى .....، فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت. یعنی:''اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، تو نے مجھے پیدا فرمایا، میں تیرا بندہ ہوں، حتی الوسع میں تیرے عہد و پیمان پر (قائم) ہوں، اور تیرے وعدہ پر (پختہ یقین رکھنے والا) ہوں، تیرے ذریعہ اپنے کرتوت کی برائی سے پناہ طلب کرتا ہوں، مجھ پر جو تیری نعمتیں ہیں ان کا معترف، اور اپنے گناہوں کا اقراری ہوں، پس تو مجھے بخش دے، اس لیے کہ سیئات کی مغفرت کرنے والا صرف تو ہی ہے''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے یہ دعاء دن کے کسی حصہ میں یقین رکھتے ہوئے پڑھی اور شام ہونے سے پہلے انتقال کر گیا تو وہ (دخول اولین) اہل جنت میں سے ہوگا، اور جس نے یہ کلمات ایمان رکھتے ہوئے رات کو پڑھا اور پھر صبح ہونے سے قبل وفات پا گیا تو وہ (ابتداء ہی میں) جنت میں داخل ہونے والوں میں سے ہوگا۔ (بخاری شریف، وغیرہ)

تشریح: حدیث پاک میں اس استغفار کو ''سیدالاستغفار'' کہا گیا ہے، حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری ؒ نے اس روایت پر باب قائم کیا ہے: "باب أفضل الاستغفار" تو گویا امام بخاری ؒ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ "سیّد" سے مراد "أفضليت" ہے، یعنی استغفار کی دعاؤں میں یہ افضل ترین استغفار ہے، اس کا پڑھنے والا زیادہ اجر وثواب پائے گا۔

ابن ابی حمزہ ؒ فرماتے ہیں: اس دعاء مغفرت میں اللہ کی الوہیت کا اقرار، بندے کی عبودیت اور غلامی کا اظہار، اللہ کے خالق ہونے کا اعتراف، بندے کا اللہ کے عہد و پیمان پر قائم رہنے کا ذکر، اور اللہ کے وعدۂ خیر کی امید کا تذکرہ، بندے کا اپنی کوتاہیوں پر اللہ سے پناہ کی طلب اور نعمتوں کی نسبت منعم حقیقی کی طرف کرنا، نیز اپنی ذات کی جانب گناہوں کی نسبت اور پھر انتہائی چاہت ورغبت سے رب کے عفوودرگذر کی مانگ پیش کرنا ہے اور آخر میں اس بات پر یقین کا اظہار کہ غفران وبخشش صرف وحدہ لاشریک کے بس میں ہے۔ اس اعتبار سے یہ کلماتِ استغفار ان تمام صفات وآداب کے جامع ہیں، جو بندے پر اس سلسلہ میں واجب ہیں۔ (مرعاۃ ج ۷، ص ۵۱۷)

اس حدیث پاک سے ایمان ویقین سے ''سیدالاستغفار'' پڑھتے رہنے پر جنت کی بشارت عظمی کا ثبوت ہوتا ہے، اور بہت سے آدابِ دعاء وطلب بھی معلوم ہوتے ہیں۔

رب العالمین! امت مسلمہ کو ''سیدالاستغفار'' بکثرت پڑھتے رہنے کی توفیق دے، اور پھر دخول جنت نصیب فرما، آمین۔☆☆

افتتاحیہ

امت مسلمہ کے لیے لمحۂ فکریہ

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

گذشتہ پانچ ماہ کے دوران عالم اسلام میں جو سیاسی بحران آیا ہے اور جو تاریخی موڑ آئے ہیں انہیں نظر انداز کرنا مشکل ہے، یوں تو وقتاً فوقتاً دنیا کے بیشتر ممالک میں چھوٹی موٹی بغاوتیں، بدعنوانیاں، سیاسی اتھل پتھل، جنسی اسکینڈل یا کسی خاص گروہ کے قتل عام ہوتے رہتے ہیں اور لوگ اسے ملک کا داخلی مسئلہ کہہ کر گذر جاتے ہیں، لیکن سلسلہ وار ایک ہی خطے سے تعلق رکھنے والے ایک تہذیب وثقافت اور ایک زبان ومذہب کے حامل متعدد ممالک سیاسی لہروں کے چپیٹ میں بیک وقت آجائیں تو پوری دنیا کا اس سے متاثر ہونا لازمی ہے۔

عالم اسلام میں بائیس سے زیادہ ایسے ممالک ہیں، جس کے حکمراں ایک دہائی سے زیادہ عرصے سے مسند اقتدار پر قابض ہیں اور سیاسی نظام بھی نام نہاد جمہوری نہیں بلکہ ملوکیت یا آمریت ہے، ان ملکوں میں اب سے پہلے حقوق انسانی کا استحصال یا کسی اور سنگین صورت حال کا ذکر میڈیا میں نہیں آیا تھا، جنوری میں سب سے پہلے تیونس اور پھر مصر میں عوام نے اپنے حکمرانوں کے خلاف زبردست احتجاج کیا اور عوامی دباؤ کے سامنے دونوں ملک کے حکمراں کو اقتدار سے ہٹنا پڑا۔ بات یہیں تک ختم نہیں ہوئی۔ بحرین، یمن، الجیریا اور لیبیا میں صورت حال بدتر ہوتی جارہی ہے، لیبیا میں اقوام متحدہ کو سنگینی کا شدید احساس ہوا اور ناٹو کی فوج کو باغیوں کی مدد کی اجازت دے دی گئی، کئی ماہ سے مسلسل لیبیا پر ناٹو کا فضائی حملہ جاری ہے۔ اس کی وجہ سے جانی ومالی نقصانات اس سے کہیں زیادہ ہے، جس قدر قذافی کی فوجوں کی وجہ سے ہورہے ہیں، بحرین اور یمن میں بھی عوامی زندگی مفلوج ہوچکی ہے۔

ان پانچ مہینوں میں عالم اسلام میں جو واقعات رونما ہوئے، اس کے اسباب وعوامل کے بارے میں مغربی میڈیا اور اخبارات نے جو کچھ بیان کیا ہے، اس کا لب لباب یہی ہے کہ حکمرانوں کی عیاشی، ظلم وستم، لوٹ کھسوٹ نے بے روزگاری، بیکاری، معاشی بدحالی کو انتہا تک پہنچا دیا، حکمرانوں نے عوام کی آزادی رائے کا گلا گھونٹ دیا، اب جمہوری نظام حکومت کی برکتوں کی خواہش ان ملکوں کے عوام میں جاگ اٹھی ہے، انٹرنیٹ اور جدید ٹکنالوجی نے کسی قیادت، احتجاج، دھرنا، اسٹرائک اور خون خرابے کے بغیر ان کے جذبات کو ہوا دی اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک انقلاب کی لہریں پھیلتی گئیں، لوگ خوش فہمی میں مبتلا ہوگئے کہ جمہوریت کا شجر پورے مشرق وسطی میں شاداب ہوگا۔

حقیقت اس کے برعکس ہے جسے میڈیا اسباب وعوامل کی شکل میں پیش کررہا ہے، جو لوگ مسلم ممالک کی سیاسی، سماجی، ساختیاتی اور جغرافیائی حالات سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اسے صرف مغرب کا ایک پروپیگنڈہ سمجھتے ہیں، انقلاب کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں ذرا گہرائی میں جانا پڑے گا۔

حیرانی کی بات یہ ہے کہ مذکورہ ممالک کی سیاسی تبدیلیوں میں اسلام یا اسلامیت کا کوئی کردار نہیں ہے، عملی حیثیت سے یا

فکری حیثیت سے انقلاب کی جدوجہد یا مخالفت میں اسلام نے کوئی حصہ نہیں لیا، اسے ہم قطعی طور پر غیر جانب دار کہہ سکتے ہیں۔

کچھ عوامل کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ سارے ملکوں میں مشترک ہیں، لیکن اہم محرکات میں کچھ تو داخلی ہیں لیکن بیشتر خارجی طاقتوں کی پیدا کردہ ہیں۔ ایک دہائی یا اس سے زیادہ عرصہ سے مسند اقتدار پر قابض رہنا ایسا محرک نہیں ہے کہ عوام اشتعال میں آجائیں، اگر ایسا ہوتا تو یہ حکمراں اتنی مدت تک حکمرانی نہیں کر سکتے تھے، یہ ممکن ہے کہ بعض حکمرانوں کی خودغرضی، ان کی لوٹ کھسوٹ اور عوام سے ان کی دوری عوام میں غم وغصہ کا سبب بن گئی ہو، تیونس کے انقلاب کو ہم اسی زمرہ میں شامل کر سکتے ہیں۔

جہاں تک مصر کا تعلق ہے وہاں بیک وقت کئی عوامل کام کر رہے تھے، تیونس کے انقلاب سے کسی خارجی طاقت کو کوئی فائدہ تھا نہ کوئی نقصان، لیکن مصر بین الاقوامی پیمانے پر بے حد اہمیت کا حامل ملک ہے، ساری دنیا کے مال بردار جہازوں کی وہ گذرگاہ ہے، زراعتی حیثیت سے نہایت زرخیز ہے، جدید ٹکنالوجی اور تعلیمی ترقی میں بہت آگے ہے۔ ۱۹۶۷ء میں مسجد اقصیٰ کے سانحہ کے بعد مصر کی سیاسی پالیسی میں زبردست تبدیلی آئی۔ سادات نے اسرائیل سے معاہدہ کرلیا اور اسے تسلیم کرنے والا پہلا عرب ملک بن گیا، وہ امریکہ کے قریب آگئے، حسنی مبارک آئے تو وہ بھی سادات کی ڈگر پر چلے اور اسرائیل اور امریکہ کے مفادات کے سب سے بڑے نگراں بن گئے، امریکہ کی چھتر چھایا میں رہتے ہوئے ایسا کیا ہوا کہ حسنی مبارک کو تخت وتاج چھوڑ کر شرم الشیخ میں پناہ لینا پڑا، کیا امریکہ کو حسنی مبارک کا متبادل مل گیا تھا، یا پردہ زنگاری میں کوئی اور معشوق تھا؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لیے ہمیں ذرا پیچھے جانا ہوگا۔

امریکہ نے عرب ممالک کو عالم کاری (گلوبلائزیشن) میں ضم کرنے کے لیے جمہوریت کی جو پالیسی اپنانی چاہی تھی اسے سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، ثقافتی گلوبلائزیشن کے نظریے کو عربوں نے یکسر رد کر دیا، امریکہ کو مشرقی اور جنوبی ایشیا میں بھی کام کرنا تھا اور یورپین ممالک کو بھی اپنے جھنڈے تلے جمع کرنا اور مخالفت کی آوازوں کو دبانا تھا، ان مشغولیات سے نجات ملی تو امریکہ نے عربوں کے لیے ایک نئی پالیسی بنائی وہ تھی ڈیولپمنٹ کی پالیسی، یہی وہ راہ تھی جس کے ذریعہ سے امریکہ تمام عرب ممالک کو اپنا دست نگر بنا کر ان سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتا تھا، اسے مصر میں حسنی مبارک کے ذریعہ بڑی کامیابی ملی، حسنی مبارک دراصل امریکہ اور عربوں کے درمیان ایک پل کا کام کرتے تھے، لیکن یہ پل اب خستہ ہو چکا تھا، امریکہ نے تالاب میں پتھر پھینکے تاکہ کچھ نئی لہریں بن سکیں۔

حسنی مبارک نے تین دہائیوں تک مصر میں ون مین شو مین (One Man Show Man) کی حیثیت سے اقتدار سنبھالا، انہوں نے کبھی کسی پر بھروسہ نہیں کیا، مخالفت میں ابھرنے والی مدھم سی آواز کو بھی نظر انداز نہیں کیا، سیاسی پارٹیوں کو کچل دیا، ان کی عمر اسی (۸۰) سے متجاوز کر رہی تھی، اس سے قبل کہ وہ عضو معطل ہو جائیں، امریکہ کو مصر کی سیاسی پالیسیوں کو اپنے مفادات کی روشنی میں عام کرنا ضروری تھا، اس طرح مصر میں تین محرک بیک وقت کام کر رہے تھے، امریکہ اور اسرائیل کی ریشہ دوانیاں ورچول اسپھیر (Virtual Sphere) جو فیس بک، آرکٹ اور ٹوئیٹر (Face Book, Orkut, Twitter) کے ذریعہ کام کر رہی تھی نیز چھوٹے چھوٹے علاقائی مسائل بھی تھے جو غیر معمولی نہ تھے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ

امریکہ بغیر سامنے آئے اپنے مقصد میں کامیاب رہا، حسنی مبارک چلے گئے لیکن سب کچھ جوں کا توں ہے۔

لیبیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس میں کرنل قذافی کی حماقت خیز پالیسیاں، ان کا جابرانہ انداز زیادہ ذمہ دار ہے، انہوں نے گدھوں کو مردار کھانے کا موقع فراہم کیا، عراق اور افغانستان کو کچلنے میں امریکہ کو بے دریغ دولت خرچ کرنا پڑی، جس سے امریکی معاشرہ کی کشتی ہنوز ڈانواں ڈول ہے، ایسے میں بہت پہلے سے اندازہ لگایا جارہا تھا کہ اب شاید لیبیا کی باری ہے، لیبیا ایک طرف روسی لابی سے تعلق رکھتا تھا، امریکہ سے اس کے تعلق میں استحکام بھی نہیں تھا، وہاں بے روزگاری جیسے مسائل اگرچہ مفقود ہیں لیکن قبائلی ترجیحات نے محرومیوں کا راستہ ضرور دے دیا ہے، لیبیائی عوام سولہ سترہ بڑے قبائل پر مشتمل ہیں، مگر قذافی کو صرف چند قبیلوں پر ہی اعتماد ہے اور حکومت کی نعمتوں سے ان کے معتمد قبیلے ہی مستفید ہو رہے ہیں، عوامی شورش کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے، قذافی اپنی حکمت عملی سے چاہتے تو یہ مسئلہ حل کر سکتے تھے مگر انہوں نے خارجی طاقت کو موقع فراہم کر دیا ہے، اب وہ دن دور نہیں ہے کہ عراق کی طرح لیبیا کے تیل کے کنویں بھی مغربی طاقتوں کی بندر بانٹ کی نذر ہو جائے۔

بحرین اور یمن کی بغاوتوں کی ذمہ دار خارجی طاقتوں کے بجائے ایک ایسی طاقت ہے جو اپنی دوغلی پالیسی کے لیے پوری دنیا میں بدنام ہے وہ ہے ایرانی حکومت جو اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے ہر سطح پر گرنے کے لیے تیار رہتی ہے، جس نے ماضی میں امت مسلمہ کے قلب میں چھرا گھونپا ہے، آج بھی اس کا وہی کردار ہے، وہ ایک طرف اسرائیلی اور امریکہ کی عداوت کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے تو دوسری طرف جن مقاصد کو پورا کرنے سے امریکہ اور اسرائیل کتراتے ہیں وہ ایران پورا کرتا ہے، اس کا سب سے بڑا مقصد امارات، سعودی عربیہ اور دیگر مسلم ریاستوں کو کمزور کرنا اور خود سب سے بڑی طاقت بننا ہے۔

زیادہ خود اعتمادی بھی کبھی کبھی سخت نقصان پہنچاتی ہے، امریکہ نے خلائی سیاروں کی طرح دنیا کے ہر گوشے میں اپنے ایجنٹ چھوڑ رکھے ہیں جنہیں حسب ضرورت کبھی وہ دشمن کے روپ میں اور کبھی دوست کی صورت میں پیش کرتا ہے، پچھلے ماہ ایبٹ آباد پاکستان میں بن لادن اور امریکہ کے تعلق سے جو کچھ سامنے آیا، اس کا کم از کم اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ سسپنس کی ایک فضا جو دسیوں سال سے قائم تھی ختم ہوگئی، خواہ اس کی حقیقت کچھ بھی ہو، اس واقعہ سے امریکی عوام کی نظر میں اوبامہ کی مقبولیت کا گراف اگرچہ اونچا ہو گیا ہو لیکن تضادات اور پلاٹ کے پھسپھسے ہونے کی وجہ سے دنیا کی نظروں میں امریکہ کی امیج میں یقیناً کمی آئی ہے، عدل وانصاف کا نعرہ لگانے والا خود ہی انصاف کے تقاضوں کو نہ پورا کر سکا، وجہ ظاہر ہے بنی بنائی ساکھ کو کون گرانا چاہے گا۔

اب ذرا دنیا کے دیگر مسلم ممالک کا جائزہ لیجئے کہ ان واقعات کے بارے میں ان کا کیا ردعمل ہے، حقیقت سامنے ہے کہ ایک گھر جل رہا ہے تو دوسرے گھر کے لوگ کھڑے ہو کر تماشا دیکھ رہے ہیں، ان میں زیادہ تر امریکہ کی پناہ لینے میں عافیت سمجھ رہے ہیں، جنہوں نے آنکھیں دکھائیں ان کا سر قلم کر دیا گیا اور جو غیر جانب دار ہیں وہ بھی الجھنوں کے شکار ہیں، سیاسی اسٹیج پر پاکستان کا دم خم نکل چکا ہے، افغانستان اور عراق کا حشر سامنے ہے، چھوٹی ریاستیں دوپ کی مانند ہیں جن پر بادصرصر کا اثر تو نہیں ہوتا لیکن سورج کی تیز کرنیں انہیں ضرور جھلسا دیتی ہیں۔

پوری امت مسلمہ آج ایسے دہانے پر کھڑی ہے جس کے ایک طرف کھائی ہے دوسری طرف دلدل۔ فراست مومن

معدوم ہوچکی ہے، جذباتیت اس کی فطرت بن چکی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا پوری قوم مایوس ہوکر باطل کے دامن میں سر چھپالے، یا جوش اور جذبے میں مذبوحی حرکتیں شروع کردے یا ایسی تنظیموں کے ہاتھ میں اپنا مستقبل تھمادے جو حالات کو اپنے موافق تو نہیں بنا سکتیں، ہاں دارالکفر اور دارالاسلام کی سرحد بنانے کے لیے بے تاب رہتی ہیں، جو اسلام کی بات نہیں کرتی ہیں لیکن اسلامی مملکت بنانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی ہیں، یا ایسے شوریدسروں کی قیادت میں سر جھکائے آگے بڑھیں جو ایٹم بم کا مقابلہ سنگریزوں سے کرنا چاہتے ہیں، ذرا جرأت دکھائی تو بے گناہوں پر اپنا غصہ اتارلیا، اپنی حرکتوں اور عمل سے وہ مسلسل یہ پیغام ٹیلی کاسٹ کررہے ہیں کہ اسلام امن وسلامتی کا دشمن ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام کوششیں چاہے جس قدر صدق دل سے کی جائیں، اس سے امت کا بھلا نہ ہوگا بلکہ زوال امت میں جو کمی رہ گئی ہے وہ ضرور پوری ہوجائے گی۔ ہم نے ن.م.راشد کی ایک نظم پڑھی تھی، جس میں وہ پوری رات ایک انگریز لڑکی کی آبروریزی کرکے فرنگیوں سے انتقام لیتے رہے۔

امت مسلمہ کے لیے یہ سقوط، یہ زوال، یہ بے حسی نئی نہیں ہے، پہلی بار سب سے بڑا زوال تاتاریوں کے سیلاب بلاخیز میں آیا، اس وقت ایسا محسوس ہورہا تھا کہ امت مسلمہ کا آخری فرد بھی اس دنیا سے اٹھ جائے گا، لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ عرب ہی کی سرزمین سے پھر اسلام کا بول بالا ہوا اور امت نے اپنا کھویا ہوا وقار پالیا، دوسری بار اٹھارہویں صدی میں دنیا کی قیادت اور امارت مسلمانوں کے ہاتھ سے لے کر اللہ نے مغرب کے حوالہ کردیا، نقل اقتدار کا یہ عمل دوصدیوں میں مکمل ہوا، مسلم ممالک استعمار کی زنجیروں میں جکڑ اٹھے، دوسری جنگ عظیم کے بعد مغرب کی قیادت کمزور پڑ گئی اور عین ممکن تھا کہ پھر وہ مسلمانوں کے ہاتھ واپس آجاتی، لیکن قیادت کے بنیادی عناصر سے مسلمان محروم تھے، اور بدقسمتی سے یہ قیادت امریکہ کے سپرد ہوئی جس کے پاس نظریہ حیات تو نہ تھا لیکن بقیہ چیزیں یقیناً ان کے پاس تھیں۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا امت مسلمہ کی نشأۃ ثانیہ ممکن ہے؟ کیا ان کا وجود داستان پارینہ بن جائے گا؟ انہیں پھر خلافت کی امانت نصیب ہوگی؟ یقیناً ان کا حق انہیں ضرور ملے گا ان شاء اللہ لیکن یہ سوچنا ہوگا کہ موجودہ حالات میں امت مسلمہ کو کیا کرنا چاہئے؟

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اس امت کے پہلے لوگ جس چیز سے درست ہوئے تھے اسی سے آخری لوگ بھی درست ہوں گے، یہی نسخۂ کیمیا ہے، عروج حاصل کرنے کا یہی حتمی طریقہ ہے، اسلام کو اس کی پوری وسعت اور تقاضوں کے ساتھ اپنانا ہوگا، اس سلسلہ میں سیرت طیبہ، حیات خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام کے درخشندہ پہلوؤں کو سامنے رکھنا ہوگا اور اسی نقش قدم پر ہمیں چلنا ہوگا، اگر ہم اپنے دین کی طرف پلٹے اور اسے نظریۂ حیات سمجھ کر گلے لگالیں تو دوسرے اسباب جلد یا بدیر فراہم ہوجائیں گے بشرطیکہ وہ فراست مومن جس کی ہیبت سے پہاڑ سمٹ کر رائی بن جاتے ہیں، اسے کام میں لائیں، ہمیں مغرب کے ان اصولوں کو بھی اپنانا ہوگا جسے ہم مغرب کا سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ مشرق کی ملکیت تھے اور مغرب نے انہیں اٹھالیا، چند چیزیں یہاں بطور مثال ذکر کی جارہی ہیں۔

(۱) پوری امت مسلمہ کی منصوبہ بندی اسی معیار کی ہونی چاہئے، جس معیار کی مغربی لوگ کرتے ہیں، مسجد اقصی کے

سانحہ کے بعد شاہ فیصل رحمۃ اللہ علیہ نے مغرب کے لیے تیل کا بائیکاٹ کر دیا تو امریکہ اور اہل مغرب نے اس طرح منصوبہ بندی کی کہ دوبارہ عرب تیل کو ہتھیار نہ بنا سکیں، شاہ فیصل کو قتل کر دیا گیا، ان کی بڑی کمپنیوں نے سعودی عربیہ، کویت اور امارات کے تیل کو اپنے کنٹرول میں لے لیا، عراق پر قبضہ کیا، افغانستان کو کچل کر گیس کے ذخائر کو اپنی تحویل میں لے لیا، معاشی استحکام کے لیے گلوبلائزیشن کا سہارا لیا، اپنے بینکنگ سسٹم اور کرنسی کو اس طرح رواج بخشا کہ وہ بین الاقوامی بن گئیں، دنیا میں کہیں بھی ان کی کرنسی چلے گی، بغیر کسی محنت کے ان کا حصہ ان کو ملتا رہے گا۔

(۲) سیاسی، سماجی، معاشی ذرائع اور سرچشموں کو اپنے کنٹرول میں لینا پڑے گا، اہل مغرب نے تقریباً ڈیڑھ صدی کی جاں سوز محنت کے بعد آج سلامتی اور انرجی کے تمام ذرائع کو اپنے شکنجہ میں لے لیا ہے، امت مسلمہ کو بھی اسی انداز سے ان اشیاء پر قبضہ کرنا ہوگا۔ اللہ رب العالمین نے توحید کو اسلام کی روح قرار دیا، اس کے بغیر نظریۂ حیات بے جان ہوگا، جس طرح اللہ کو اس کی ذات اور صفات میں اکیلا جاننا ضروری ہے، اسی طرح وحدت کے رنگ میں وہ امت مسلمہ کو دیکھنا چاہتا ہے، اہل مغرب سے برتر ہونا ہے تو اختلاف وانتشار کی راہ چھوڑ کر وحدت کے رنگ میں شرابور ہونا پڑے گا۔

(۳) **تنمیہ وترقی (ڈیولپمنٹ)**: ٹکنالوجی، تعلیم اور تحقیق پر دوسرے شعبوں کی بہ نسبت زیادہ توجہ دینا ہوگی، افسوس کہ علم اور ریسرچ جس پر مسلمانوں کی اجارہ داری تھی وہ اہل مغرب نے اپنا لیا، ہمیں اپنی روش کو بدلنا ہوگا، یونیورسٹیوں کا جال بچھانا ہوگا، عوام کو خواندہ بنانا ہوگا، تحقیق پر زور دینا ہوگا، ٹکنالوجی کے میدان میں ترقی یافتہ ثابت کرنا ہوگا، اگر موخر الذکر پر توجہ دی گئی تو حربی طاقت بننے سے امت مسلمہ کو کوئی روک نہیں سکتا ہے۔

امت مسلمہ کو نشأۃ ثانیہ کے لیے اسلام کے ساتھ مذکورہ اسباب فراہم کرنا پڑے گا، اہل مغرب کے پاس اسباب تو ہیں لیکن وہ نظریۂ حیات سے محروم ہے، امت مسلمہ خوش قسمت ہے کہ اس کے پاس نظریۂ حیات ہے، ایک ایسا نظریۂ حیات جو ابد تک کے لیے ہے، جس کے اندر اس قدر لچک ہے کہ وہ ابد تک ہر دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، بس اسے شرح صدر کے ساتھ اپنانے کی ضرورت ہے، اسلام کا وہ ماڈل جسے مغرب نے ترکی کی صورت میں تیار کیا تھا، اسے پس پشت ڈالنا ہوگا، صرف وہی ماڈل امت مسلمہ کو منزل تک پہنچا سکتا ہے جسے شارع علیہ السلام نے تراشا ہے اور جسے قرون اولی کے مسلمان اپنا کر سب سے بڑی طاقت بنے۔

مسلم ممالک تو بہت سے ہیں، لیکن اسلامی قوانین کو پیش یا افتادہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا ہے، یہ ایک سنگین مسئلہ ہے، مسلم ملک ہوتے ہوئے بھی قانون کے شعبے پر اہل مغرب کا تسلط ہے، پوری دنیا میں باستثنائے سعودی عربیہ اسلامی ادارہ سازی پر کوئی زور نہیں دیا گیا، مسلمانوں کے پاس یو این او جیسا کوئی بین الاقوامی ادارہ نہیں ہے، عرب ممالک نے ایسا ادارہ بنایا تو وہ بھی اختلافات، خود غرضیاں اور اہل مغرب کی بنائی ہوئیں پالیسیوں کی نذر ہو گیا، ضرورت ہے بین الاقوامی ادارہ سازی کے ایسے مراکز کی جس کی بنیاد اسلامی قوانین ہوں، ان اداروں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی عالمی پیمانے پر ادائیگی ہو سکتی ہے اور اسلامی ثقافت، اسلامی تشخصات، اسلام کے پیغام امن کی دعوت کو عام بھی کیا جا سکتا ہے۔ ☆☆

خطبۂ حرم مکی:

زبان کی حفاظت

الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل/حفظہ اللہ
سابق امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے، آنکھوں کی چوری تک جانتا اور دل کی چھپی بات سے بھی باخبر ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر بھی ہے، اللہ سبحانہ کی بے پایاں نعمتوں پر میں اس کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کی وحدانیت اور اس کے اسماء وصفات میں کوئی اس کا شریک نہیں، ساتھ ہی یہ بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد اس کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں۔ الٰہی! تو اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر، آپ کے آل واصحاب پر، نیز ان کی سچی پیروی کرنے والوں پر درود وسلام نازل فرما، امابعد:

مسلمانو! اللہ سے ڈرو، اس کے احکام مانو اور نافرمانی سے بچو، اللہ تعالی نے اپنے احکام واوامر کی اتباع کا حکم دیا ہے اور ناراضگی وغضب کے کاموں سے بچنے اور اعضاء وجوارح کو گناہوں سے محفوظ رکھنے کی تلقین کی ہے، اس کا حکم ہے کہ ہم اپنے کان، نگاہ، زبان اور جملہ اعضاء وجوارح کو حرام کاموں سے بچائیں اور انہی کاموں میں انہیں استعمال کریں جو ہمارے دین ودنیا کے لیے بہتر اور مفید ہوں۔ اللہ تعالی کے بارے میں از راہ بے دانشی کچھ کہنے، کذب وافتراء، مسلمانوں کی عیب جوئی یا ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے کے لیے نہ استعمال کریں، یہ بدسلوکی خواہ ان کی پردہ دری کی شکل میں ہو یا آبروریزی کی شکل میں، ان کا جانی مالی نقصان پہنچا کر ہو یا حقوق کی پامالی کر کے۔

اعضاء وجوارح میں سب سے خطرناک اور دین کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ زبان ہے، زبان ایک ایسا عضو ہے جو خیر وہدایت اور اللہ کی رضا وخوشنودی کے کلمات ادا کر کے آدمی کو محبت ومودت اور بخشش ومغفرت کا مستحق بنا دیتی ہے، لیکن ضلالت وگمراہی اور نافرمانی کے جملے نکال کر شر وشقاوت اور غضب الٰہی میں مبتلا بھی کر دیتی ہے، کتنے نیک کلمات رضائے الٰہی کا ذریعہ ہوتے ہیں جبکہ کتنے برے جملے عتاب وعقاب کا سبب بن جاتے ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

" إن الرجل ليتكلم بالكلمة من رضوان الله ما يظن أن تبلغ ما بلغت، يكتب الله له بها رضوانه، وإن الرجل ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يظن أن تبلغ ما بلغت، يهوي بها في النار أبعد مما بين المشرق والمغرب". (۱)

آدمی اللہ کی رضا وخوشنودی کا کوئی ایسا کلمہ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے جس کی اہمیت نہیں سمجھ پاتا اور اللہ تعالی اس کلمہ کی بدولت اس کے حق میں اپنی خوشنودی لکھ دیتا ہے، اور ایک آدمی اللہ کے غضب کا کوئی جملہ کہہ جاتا ہے جس کی حقیقت پر غور نہیں

(۱) یہ حدیث صحیح بخاری، کتاب الرقاق (۶۴۷۸) میں ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ مروی ہے، دیکھئے: خطبہ "مرد وزن کے اختلاط سے ممانعت"۔

کرتا اور اس کے نتیجہ میں جہنم میں اتنی دور جا گرتا ہے جو آسمان اور زمین کے فاصلے بھی زیادہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا:

" إذا أصبح ابن آدم فإن أعضاء ہ تكفر للسان، تقول: اتق الله فينا، فإنك إن استقمت استقمنا، وإن اعوججت اعوججنا". (۱)

انسان جب صبح کرتا ہے تو اس کے اعضائے جسمانی عاجزی کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارے سلسلے میں تو اللہ سے ڈرتی رہ، کیونکہ اگر تو سیدھی رہے تو ہم سب سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم سب ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

ایک اور مقام پر آپ نے فرمایا:

"اضمنوا لي ستا من أنفسكم أضمن لكم الجنة، اصدقوا إذا حدثتم، وأدوا إذا اؤتمنتم، وأوفوا إذا وعدتم، واحفظوا فروجكم، وغضوا أبصاركم، وكفوا أيديكم". (۲)

تم اپنے نفسوں پر چھ باتوں کا ذمہ لے لو تو میں تمہارے لیے جنت کا ذمہ لیتا ہوں، وہ باتیں یہ ہیں کہ جب بات کرو تو سچ بولو، امین بنائے جاؤ تو امانت کا حق ادا کرو، وعدہ کرو تو نبھاؤ، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، نگاہیں نیچی رکھو اور ہاتھوں کو (ظلم وزیادتی سے) روکے رکھو۔

نیز فرمایا:

" عليكم بالصدق، فإن الصدق يهدي إلى البر، وإن البر يهدي إلى الجنة، وما يزال الرجل يصدق ويتحرى الصدق حتى يكتب عند الله صديقا، وإياكم والكذب، فإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، وما يزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذابا". (۳)

تم سچ بولنے کو اپنے اوپر لازم کرلو، کیونکہ سچائی نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچ کی جستجو میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک سچا لکھ دیا جاتا ہے، اور جھوٹ بولنے سے بچو، کیونکہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم میں داخل کر دیتا ہے، آدمی ہمیشہ جھوٹ بکتا اور جھوٹ کے پیچھے لگا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالی کے یہاں وہ جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

اللہ کے بندو! قوت ایمانی کی ایک علامت یہ ہے کہ آدمی سب وشتم، گالی گلوچ، فحش گوئی وبدکلامی اور لعن وطعن سے دور رہے، جیسا کہ رسول صادق ومصدوق ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۱) مسند احمد ۳/۹۶ (۱۱۹۰۸) وجامع ترمذی، ابواب الزھد، باب حفظ اللسان (۲۵۳۱)۔

(۲) مسند احمد ۵/۳۲۳ (۲۲۸۲۱)۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب البر، باب قبح الکذب وحسن الصدق (۲۶۰۷) ومسند احمد: ۱/۳۸۴ (۳۶۳۸)۔

" ليس المؤمن بالطعان، ولا اللعان، ولا الفاحش، ولا البذيء "۔ (۱)

مومن طعنہ زن نہیں ہوتا، لعنت گر نہیں ہوتا، فحش گو نہیں ہوتا اور بدزبان نہیں ہوتا۔

اللہ کے مومن بندوں کی شان میں بدکلامی اور ایذ رسانی دین کی کمی، عقل ومروت کے فقدان اور بداخلاقی کی دلیل ہے، لہذا ان چیزوں سے بچو جو دین کے لیے نقصان دہ، عقل ومروت کے لیے قادح اور اخلاق کے لیے باعث عیب ہوں، زبان کی سب سے خطرناک آفت چغل خوری ہے جو بگاڑ پیدا کرنے کی نیت سے ایک شخص کی بات دوسرے تک پہنچائی جاتی ہے، چغلخوری ایک ایسی خطرناک چیز ہے جو بغض وحسد پیدا کرتی ہے، احباب واقارب کے درمیان تفریق ڈالتی ہے اور معاشرہ کے اندر عداوت ودشمنی ومنافرت پھیلاتی ہے۔ ایسے کتنے واقعات ہیں کہ چغلخوری نے دو صاف دل دوستوں کو جدا کر دیا، کتنے رشتے ناطے توڑ دیئے، ان کے مابین موجود تعلقات اور الفت ومحبت کو پامال کر کے رکھ دیا اور معاشرہ میں بگاڑ اور رنجش کا سبب بنی، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے ''حالقہ'' (مونڈنے والی) قرار دیا ہے جو ہر خیر کا استیصال کرتی اور شر کو دعوت دیتی ہے، اس کے نتیجہ میں بڑے بڑے گناہ جنم لیتے ہیں، روحانیت کا خاتمہ ہوتا ہے اور قبیلے اور جماعتیں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتی ہیں۔

چغلخوری کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے سخت وعید فرمائی ہے اور چغلخور کو بدترین لوگوں میں شمار کیا ہے، فرمایا:

" خيار عباد الله الذين إذا رؤوا ذكر الله، وشرار عباد الله المشاؤون بالنميمة، المفرقون بين الأحبة، الباغون للبرآء العنت "۔ (۲)

اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آجائے، اور بدترین لوگ وہ ہیں جو چغلخوری کرنے والے، دوستوں کے مابین تفریق ڈالنے والے اور بری وپاکدامن لوگوں کو مشقت وپریشانی میں مبتلا کرنے والے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وتجدون شر الناس ذا الوجهين الذي يأتي هؤلاء بوجه ويأتي هؤلاء بوجه "۔ (۳)

سب سے بدترین اس شخص کو پاؤ گے جو دورخا ہو، جو اس کے پاس ایک منہ لے کر آتا ہے اور دوسرے کے پاس دوسرا منہ لے کر۔

ایسے شخص کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دونوں فریق سے قربت حاصل کرلے اور دونوں کو علیحدہ طور پر اپنی حمایت وتائید کا یقین دلا دے، پھر ان سے ایک دوسرے کی باتیں بتائے جس سے ان کے درمیان نفرت وعداوت بڑھے، ظلم وزیادتی میں

(۱) مسند احمد ۱/۴۰۵ (۳۸۳۹) و۱/۴۱۶ (۳۹۴۸) وجامع ترمذی، ابواب البر، باب ماجاء فی اللعنۃ۔

(۲) مسند احمد ۴/۲۲۷ (۱۸۰۲۰)

(۳) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب اول (۳۴۹۴) وصحیح مسلم، کتاب البر، باب ذم ذی الوجہین (۲۶۰۴)

اضافہ ہو،بغض وحسد کی جڑیں مضبوط ہوں اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس ایک آدمی آیا اور ایک شخص کے بارے میں ان سے کچھ بیان کرنے گا،حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کہو تو ہم خود تمہیں دیکھیں،اگر تم جھوٹ کہہ رہے ہو تو اس آیت کریمہ کے حکم میں ہو:

﴿یا أیها الذین آمنوا إن جاء کم فاسق بنبإ فتبینوا﴾ (الحجرات:٦)

اے مومنو!اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کرلیا کرو۔

اور اگر تم سچے ہو تو اللہ کے اس قول کے مصداق ہو:﴿هماز مشاء بنميم﴾ (القلم:١١)

طعن آمیز اشارتیں کرنے والا،چغلیاں لیے پھرنے والا (یعنی ایسے لوگوں کی بھی بات نہ مانو)۔

اور تیسری صورت تمہاری یہ ہوسکتی ہے کہ اگر کہو تو تمہیں معاف کردیا جائے،اس شخص نے التجا کی یا امیر المومنین! مجھے معاف ہی کردیا جائے،اب کبھی ایسی حرکت نہ کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ چغلخوری کو قبر میں عذاب ہوتا ہے،چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گذرے تو فرمایا:

" إنهما يعذبان، وما يعذبان في كبير، بلى إنه كبير، أما أحدهما فكان يمشي بالنميمة، وأما الآخر فكان لا يستتر من بوله". (١)

ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور (لوگوں کے گمان کے مطابق) یہ کسی بڑے گناہ میں عذاب نہیں دیئے جارہے ہیں،حالانکہ وہ درحقیقت بڑے گناہ ہیں،ایک کو تو اس وجہ سے عذاب ہو رہا ہے کہ دنیا میں لوگوں کی چغلخوری کیا کرتا تھا اور دوسرا اس وجہ سے کہ پیشاب (کے چھینٹوں) سے نہیں بچتا تھا۔

بندگان الٰہی !لہٰذا اللہ تعالی کا تقوی اختیار کرو،گناہ ومعصیت کے کاموں سے دور رہو اور اس کی ناراضگی کے اسباب سے بچنے اور دردناک عذاب سے چھٹکارا پانے کی فکر کرو،اللہ سے ڈرو اور قطع رحم سے بچو،ساتھ ہی اپنے کان،نگاہ،زبان اور دیگر اعضاء وجوارح کی حفاظت کرو،کیونکہ بروز قیامت ان سب کے بارے میں باز پرس کی جائے گی،ارشاد الٰہی ہے:

﴿إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولا﴾ (الاسراء:٣٦)

یقیناً کان،نگاہ اور دل ان سب کے بارے میں سوال ہوگا۔

☆☆☆

(١) صحیح بخاری میں یہ حدیث ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ مختلف مقامات پر مروی ہے،دیکھئے:کتاب الوضوء(٢١٦) کتاب الجنائز(١٣٦١) کتاب الادب (٦٠٥٢،٦٠٥٥) نیز دیکھئے:صحیح مسلم،کتاب الطہارۃ،باب الدلیل علی نجاسۃ البول ووجوب الاستبراء منہ(٢٩٢)

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی

اساتذۂ کرام

مولانا اسعد اعظمی/استاذ جامعہ سلفیہ

اب بعض اساتذہ کے بارے میں میسر تفصیلات ذکر کی جارہی ہیں:

(۱) مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی (م ۱۳۷۶ھ)

محدث شہیر مولانا عبدالمنان وزیرآبادی کے شاگرد ہیں، شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے سند اجازہ حاصل کی اور درس وتدریس، وعظ وارشاد، تصنیف وتالیف اور اسلام کے دفاع میں سرگرم رہے، قادیانیوں، منکرین حدیث، آریہ سماج اور دیگر باطل فرقوں اور تحریکوں کو منہ توڑ جواب دیتے تھے۔(۱)

دارالحدیث رحمانیہ کے قیام سے پہلے سیالکوٹ میں ان کا اپنا مدرسہ دارالحدیث ہی کے نام سے چلتا تھا جس میں دور دور سے طلبہ تعلیم اور استفادہ کے لیے آتے تھے، دارالحدیث رحمانیہ کے قیام میں آپ کی بھی ترغیب وتحریک کا دخل تھا، رحمانیہ کے قیام کے وقت اس کے انتظام وانصرام میں آپ کا بھرپور تعاون رہا، افتتاحی پروگرام میں بھی آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، آپ نے تاسیس رحمانیہ کے سال شعبان میں اپنے یہاں مدرسے میں طلبہ واساتذہ سے یہ اعلان کردیا کہ اگلے تعلیمی سال شوال میں مدرسہ دہلی منتقل ہوجائے گا، لہذا تمام طلبہ واساتذہ شوال میں دہلی ہی پہنچیں، اس طرح موصوف نے شوال ۱۳۳۹ھ میں اپنے مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ سمیت رحمانیہ دہلی پہنچ کر مدرسہ کا نظام سنبھالا، آپ نے اپنے مدرسہ کا کتب خانہ بھی یہیں منتقل کردیا، نہ معلوم کن اسباب کی بنا پر مولانا نے بہت جلد دارالحدیث رحمانیہ کو خیرباد کہہ دیا، البتہ جن طلبہ کو اپنے مدرسہ سے یہاں منتقل کیا تھا جاتے وقت ان کو رحمانیہ ہی میں تعلیم مکمل کرنے کی ہدایت کرگئے۔

مولانا کے شاگردوں میں حکیم مولانا عصمت اللہ رحمانی، حکیم مولانا محمد سلیمان رحمانی مئوی، راقم کے دادا مولانا عبدالعلی مئوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا ابوحفظ عثمانی وغیرہ- رحمہم اللہ- شامل ہیں۔

(۲) شیخ الحدیث مولانا احمداللہ صاحب پرتاپ گڈھی (م ۱۳۶۲ھ)

شیخ حسین یمنی، مولانا سلامت اللہ جیراج پوری، ڈپٹی نذیر احمد اور دیگر اساتذہ سے کسب فیض کیا، اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی، شیخ محمد بن عبداللطیف بن ابراہیم نجدی، مولانا شمس الحق ڈیانوی اور شیخ قاضی محمد مچھلی شہری سے سند واجازہ حدیث حاصل کی، تمام زندگی درس وتدریس میں گزاری، پورے بیس سال مدرسہ علی جان دہلی میں پڑھایا، اسی دوران دار الحدیث رحمانیہ کی تاسیس ہوئی، مہتمم صاحب نے آپ کو تدریس کے لیے یہاں بلالیا، یہاں آپ کتب حدیث، اصول حدیث،

(۱) جھود مخلصۃ، ص: ۱۵۵۔

تفسیر، اصول فقہ، فرائض وغیرہ کا درس دیتے، شیخ الحدیث کی حیثیت سے آپ نے ۱۹۳۸ء تک یہاں تدریسی خدمت انجام دی، پھر یہاں سے مستعفی ہوکر مدرسہ زبیدیہ دہلی چلے گئے، آپ کے تلامذہ میں شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی مبارکپوری، مولانا عبدالسلام صاحب بستوی، مولانا نذیر احمد صاحب املوی، مولانا محمد یونس صاحب پرتاپ گڈھی، مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا عبدالغفار حسن عمرپوری، مولانا محمد زماں صاحب رحمانی بستوی، مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری، مولانا محمد بشیر صاحب مبارکپوری، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی وغیرہ ہیں، یرحمهم الله أجمعين۔ (۱)

آپ کے شاگرد مولانا عبدالغفار حسن رحمانی دارالحدیث رحمانیہ میں آپ کی تدریس سے متعلق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رحمانیہ میں اس وقت کے ہمارے اساتذہ میں ایک مولانا الشیخ احمد اللہ الدہلوی تھے، یہ شیخ المحدثین السید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد رشید تھے، ان سے میں نے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، جامع ترمذی کی پہلی جلد پڑھی، اور علوم حدیث میں شرح نخبۃ الفکر اور علم وراثت میں سراجی پڑھی، شیخ احمد اللہ دہلوی بڑے جید عالم دین اور بلند پائے کا اخلاق وکردار رکھتے تھے، طلبہ کے ساتھ بڑی شفقت اور اپنائیت کے ساتھ پیش آتے، اکثر اپنے شاگردوں اور دیگر اساتذہ کو علم حدیث اور سنت کے ساتھ لگاؤ کی تلقین کیا کرتے تھے''۔ (۲)

ایک دوسرے موقع پر آپ لکھتے ہیں:

''مولانا موصوف کی ساری عمر درس حدیث میں گزری، پڑھتے پڑھاتے فتح الباری کے مطالب ان کو ازبر ہوگئے تھے، جب کسی مسئلے پر درس میں وہ تقریر فرماتے تو معلوم ہوتا کہ ایک علم کا سمندر بہہ رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے، طلبہ کے لیے صحیح معنی میں مربی ومشفق استاذ تھے، میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کبھی غصے سے ان کے چہرے پر بل آیا ہو، اہتمام سنت میں نمایاں طور پر آگے بڑھے ہوئے تھے، حقیقتاً وہ صحیح معنی میں سلف صالحین کا نمونہ تھے، اس میں شک نہیں کہ وہ تدریس کے ماہر تھے.....''۔ (۳)

(۳) مولانا نذیر احمد رحمانی املوی (م ۱۹۶۵ء)

قصبہ مبارکپور سے مشرق موضع املو میں موصوف ۶ رفروری ۱۹۰۶ء مطابق ۱۰ رذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مبارکپور میں ہوئی، پھر مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں داخل ہوئے، کچھ دنوں بعد مدرسہ فیض عام مئو چلے گئے، شوال ۱۳۳۹ھ میں دارالحدیث رحمانیہ کے قیام کے تقریباً دو ماہ بعد ماہ ذی الحجہ میں داخل ہوگئے، اور شعبان ۱۳۴۶ھ میں مدرسہ سے

(۱) تراجم علمائے حدیث ہند، ص: ۱۷۴-۱۷۸، جھود ومخلصۃ، ص: ۱۵۱۔

(۲) ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم، نومبر دسمبر ۱۹۹۸ء، ص: ۱۴۔

(۳) الاعتصام، لاہور، ۱۹ راگست ۱۹۹۴ء ص: ۱۵-۱۶۔

فراغت حاصل کی، اس کے بعد نئے تعلیمی سال شوال ۱۳۴۶ھ سے اسی ادارہ میں مدرس مقرر ہوئے، پھر مہتمم مدرسہ شیخ عطاء الرحمٰن کی خواہش پر معقولات میں دسترس اور کمال حاصل کرنے کے لیے آپ کو مولانا فضل حق خیرآبادی کے پاس مدرسہ عالیہ رامپور بھیجا گیا، لیکن وہاں ریاضی کی تعلیم نہ ہونے کے باعث آپ مدرسہ شمس العلوم بدایوں چلے آئے اور مولانا عبدالسلام قندھاروی سے معقولات اور ریاضی کی بہت سی درسی وغیر درسی کتابیں پڑھیں، ایک سال کے بعد وہاں سے واپس رحمانیہ آئے اور مستقل طور پر مدرسہ کے مدرس بنے اور یہ سلسلہ بیس سال تک جاری رہا، مشغلہ درس وتدریس کے علاوہ اس دوران میں آپ کے فرائض میں رحمانیہ کے کتب خانہ کی دیکھ ریکھ اور اس کی نگرانی بھی تھی، علاوہ ازیں دارالحدیث کا مشہور ماہنامہ ''محدث'' بھی اس کے ایڈیٹر مولانا عبدالحلیم ناظم صدیقی کے (۱۹۳۵ء میں) انتقال کے بعد آپ کی ادارت میں آ گیا، اس وقت سے اخیر تک آپ برابر اس کے مدیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا املوی صاحب نے دارالحدیث رحمانیہ کے قیام سے لے کر اس کے آخری دن تک - بجزء معمولی وقفہ - اس مدرسہ کے اندر زندگی گذاری، سات سال بحیثیت طالب علم اور بقیہ بیس سال بحیثیت مدرس، بیچ میں ایک سال کے لیے مدرسہ ہی کی تنخواہ پر آپ معقولات وریاضی وغیرہ کی تعلیم کے لیے مدرسہ سے باہر رہے، میں نہیں سمجھتا کہ کسی اور مدرس کو اتنے طویل عرصے تک اس ادارہ کی خدمت کا موقع ملا ہوگا، ۱۹۳۸ء میں جب مہتمم مدرسہ شیخ عطاء الرحمٰن کا انتقال ہو گیا تو مذکورہ بالا مصروفیات کے ساتھ بہت سارے انتظامی امور بھی آپ اور حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ کے کاندھوں پر آ گئے، اس لیے کہ شیخ عطاء الرحمٰن کے صاحبزادے شیخ عبدالوہاب مدرسہ کے لیے اتنا وقت نہیں دے پاتے تھے جتنا ان کے والد محترم دیتے تھے، ویسے بھی مدرسہ میں مولانا کی حیثیت صدر مدرس جیسی تھی، اگرچہ کہ رحمانیہ میں صدر مدرس کا کوئی عہدہ نہ تھا، مگر طلبہ کی نگرانی، امتحانات وغیرہ سے متعلق امور، داخلہ کے مسائل وغیرہ وغیرہ سب مولانا ہی دیکھتے تھے، رمضان وعید کی چھٹیوں میں جب مولانا اپنے گھر ہوتے تو قرب وجوار کے طلبہ جو رحمانیہ میں داخلہ کے امیدوار ہوتے مولانا کے پاس آتے اور ان کی جانچ پڑتال کر کے آپ ان کو داخلہ کا اہل قرار دیتے، یہ اختیار مولانا کو مہتمم صاحب کی طرف سے دیا گیا تھا۔

۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں مدرسہ کی شہادت کے وقت بھی مولانا مدرسہ ہی میں مقیم تھے، آپ مع چند دیگر اشخاص گرفتار ہوئے اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، اس کی داستان بڑی خونچکاں اور دلدوز ہے، اس کی تفصیل مولانا ادریس آزاد رحمانی علیہ الرحمۃ کی درج ذیل تحریر میں ملاحظہ ہو:

''اگست ۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوا اور اس کے نتیجہ میں دہلی کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹی تو اس زمانہ میں مولانا دہلی ہی میں تھے، مدرسہ کا اٹھائیسواں سال شروع تھا، تعطیل کلاں کے بعد آپ مدرسہ پہنچ چکے تھے، کیوں کہ طلبہ کے داخلے کا کام آپ ہی کے ذمہ تھا، دوسرے مدرسین ابھی نہیں پہنچے تھے، ستمبر کے شروع ہی میں مختلف محلوں سے گڑبڑ کی خبریں ملنے لگیں،

یہاں تک کہ ۶ ؍ستمبر کو ۸؍ بجے شب میں خود مدرسہ پر جنوبی طرف سے ہندوؤں نے خشت باری شروع کی، مدرسہ کے لوگوں نے بھی اپنی مدافعت کی، دیر تک معرکہ آرائی رہی، مدرسہ کا پھاٹک بند تھا، آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ مدرسہ کی چھت پر تھے اور وہیں سے مدافعت کررہے تھے، نعرہ تکبیر کی صدا سن کر ملیٹری پہنچ گئی، اس نے مدرسہ کے باہر ہی سے کئی مرتبہ اشک اور گیس چھوڑی، گولیاں چلائیں، مگر الحمدللہ کوئی زخمی نہیں ہوا، جب ہنگامہ فرو ہوا تو آپ عشاء کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے گئے جو مدرسہ سے قریب مگر اس کے احاطہ سے باہر تھی، آپ کے ساتھ دو آدمی اور تھے، یہ لوگ نماز سے جوں ہی فارغ ہوئے مسلح پولیس پہنچ گئی اور اس نے مسجد کو گھیر لیا، محلّہ کے کچھ دوسرے آدمیوں کی گرفتاری بھی ہوئی، سب کو پولیس لاری میں بٹھا کر تھانہ پہنچایا گیا، تھانہ والے شہر کے ہنگاموں کی وجہ سے اس قدر مصروف تھے کہ ان کو ان اسیران بلا کے متعلق ضابطہ کی کوئی کارروائی کرنے کی فرصت ہی نہ ملی، چنانچہ دوسرے دن ۸؍ بجے صبح کو ان لوگوں کے پتے وغیرہ لکھے گئے اور پھر یہ لوگ دوپہر کے بعد حوالات میں بند کئے گئے، سنا ہے کہ ۲۴؍ گھنٹے سے زیادہ حوالات میں رکھنے کا قانون نہیں ہے، لیکن یہ لوگ تین روز تک حوالات ہی میں رہے، حوالات کی لمبائی زیادہ سے زیادہ چار گز اور چوڑائی ڈھائی گز رہی ہوگی، شہر میں برابر گرفتاریاں ہورہی تھیں اور سب کو اسی میں لاکر بند کیا جارہا تھا، کمرہ بالکل بھر گیا، ۲۴؍ گھنٹوں میں صرف ایک مرتبہ صبح کے وقت قضائے حاجت کے لیے باہر نکالا جاتا تھا، پیشاب کے لیے ایک مٹی کی چھوٹی سی ناند رکھی ہوئی تھی جو پیشاب سے بھر جاتی تھی تو سارا کمرہ گندہ اور متعفن ہوجاتا تھا، تین دن میں صرف ایک وقت حوالاتیوں کی چیخ وپکار کے بعد پولیس نے انہیں چنے ابال کر کھانے کو دیا، طلبہ بیچارے صبح کے وقت جب کرفیو کھلتا تھا تو کچھ روٹیاں پہنچا جاتے تھے، مگر دوسرے حوالاتیوں کے گھروں سے کچھ نہیں آتا، اس لیے وہ سب بیچارے بھی بھوکے تھے، انہیں چند روٹیوں کو ٹکڑے ٹکڑے بانٹ کر تسکین کرلیا کرتے تھے''۔

''ایسی گندی اور بدبودار جگہ میں آپ کو لیٹنے کی ہمت نہ ہوتی، جب نیند کے غلبے سے مجبور ہوجاتے تھے تو ایک کونے میں ٹیک لگا کر سہارا لے لیا کرتے تھے اور کچھ دیر تک غفلت ہوجاتی تھی، حوالاتیوں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اس سے پہلے جیل جاچکے تھے اور وہاں کی زندگی کا تجربہ رکھتے تھے، انہوں نے آپ سے کہا کہ مولوی صاحب! تھانیدار سے کہئے کہ ہم لوگوں کو جیل بھیج دیا جائے وہاں آرام رہے گا، چنانچہ سب لوگوں نے باتفاق اور باصرار مطالبہ کیا کہ ہم کو یہاں سے نکال کر جیل بھیج دیا جائے، اس کے بعد سب کو دہلی سنٹرل جیل بھیج دیا گیا''۔

''ایک مہینہ کے بعد جب عدالتیں کھلیں تو ان زندانیوں کا مقدمہ پیش ہوا، عدالت کے سامنے جب آپ لائے گئے تو اس نے آپ کا نام لے کر کہا کہ آپ پر چھ ہندوؤں کے قتل کا الزام ہے، اتنا کہہ کر عدالت خاموش ہوگئی اور آپ بھی چپ رہے، دومنٹ کی خاموشی کے بعد عدالت نے خود کہا لیکن پولیس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے، اس لیے میں آپ کو بری کرتا ہوں، ہتھکڑیاں کھول دی جائیں۔ چنانچہ آپ کے ہاتھوں کی ہتھکڑیاں کھول دی گئیں، اور مجسٹریٹ کے اشارہ سے آپ ایک

کرسی پر بیٹھ گئے''۔

رہائی کے بعد جب آپ مدرسہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مہتمم صاحب مدرسہ اوراس کے کتب خانہ کو جامعہ ملیہ کے حوالہ کرکے مع اہل وعیال کراچی چلے گئے، چنانچہ دودنوں کے بعد جامعہ کی لاری آئی اور کتابیں بھر بھر کر لے گئی''۔

اوپر کی تحریر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ذمہ داروں میں مولانا مرحوم ہی کی ایک ہستی ایسی تھی جو اس اجڑے اور لٹے ہوئے گلستان علم وفن پر آنسو بہاتی، ان شدائد ومصائب میں تپ کر مولانا کی امانت ودیانت اور نکھر گئی، آپ کا یہ حال تھا کہ پورے کتب خانہ کو از اول تا آخر جامعہ کے سپرد فرمایا، اگر کسی نے کام کی کوئی کتاب یا کاغذ کا کوئی ٹکڑا رکھنا چاہا اور آپ کو اس کی خبر ہوگئی تو بڑی سختی کے ساتھ اس حرکت سے روک دیا، گویا اس وقت آپ ان الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها کی پوری عملی تفسیر تھے۔

رہائی کے بعد دارالحدیث رحمانیہ کی خانہ ویرانی کو آپ کس دل وجگر سے دیکھتے؟ اس کا بچپن شباب اوراس کی اخیر دور کی تمام بہاریں آپ کے سامنے گزری تھیں، یہاں آپ نے اپنی عربی تعلیم کا ابتدائی دور بھی گزارا تھا، وسط دور بھی اور اخیر زمانہ بھی، اس کے ذرے ذرے سے آپ کو محبت تھی، اس لیے اسیری سے رہائی کے بعد اپنے گھر میں اجنبی بن کر رہنا کیسے گوارا ہوتا، مجبور آپ نے دھڑکتے دل اور نمناک آنکھوں کے ساتھ اسے الوداع کہا اور گھر جانے کے لیے روانہ ہوئے''۔(۱)

وطن واپسی کے بعد مولانا تقریبا ایک سال تک گھر رہے، اواخر ۱۹۴۸ء سے اواخر ۱۹۴۹ء تک دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں تدریسی خدمت انجام دی، جنوری ۱۹۵۰ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس تشریف لائے اور اخیر عمر تک اسی سے متعلق رہے، اور ۳۰/ مئی ۱۹۶۵ء اس عالم فانی کو خیر باد کہہ گئے۔(۲)

☆☆☆

(۱) اہل حدیث اور سیاست، مقدمہ، ص: ۱۹-۲۱۔

(۲) تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۴۱۱-۴۱۲، اہل حدیث اور سیاست، مقدمہ، جھود مخلصۃ، ص: ۲۵۵-۲۵۶۔

غصہ مت کیجئے

مولانا عبدالمتین مدنی

اللہ تعالی نے انسان کو پیدا فرمایا اور اس کے اندر مختلف احساسات وجذبات کو ودیعت فرمایا جن کا اظہار فطری طور پر عمل یا ردعمل کے طور پر ہوتا ہے، خوشی اور غم، رضا اور رغبت، محبت اور نفرت یہ ایسے جذبات جو ہمہ وقت انسان کے دل میں ہوتے ہیں اور وہ انہیں محسوس کرتا بھی رہتا ہے۔

غصہ اور غضب انسان کی ناراضگی کے اظہار کا ایک فطری طریقہ ہے، مشاغل روز وشب میں انسان ایسے اتفاقات سے دوچار ہوتا ہے جو اس کے مزاج اور مرضی کے خلاف ہوتے ہیں اور جن کو سہہ لینا اس کے بس میں نہیں ہوتا، اس کے غضب کی چنگاری بھڑک اٹھتی ہے، اس کا غصہ پھوٹ پڑتا ہے، بسا اوقات یہ غصہ بجا ہوتا ہے اور بسا اوقات بیجا بھی، بسا اوقات اس کا اظہار وہ زبان سے کرتا ہے اور غصہ کی آگ اس کی زبان کو بے لگام کر دیتی ہے اور وہ گالی گلوج، بدزبانی، بیہودہ گوئی اور دوسرے گناہوں کے ارتکاب کا ذریعہ بنتا ہے اور کبھی غصہ کے اظہار کے لیے وہ ہاتھ پیر کا بھی استعمال کر بیٹھتا ہے اور ظلم وتعدی کی وجہ سے ظالم قرار پاتا ہے۔ الغرض غصہ کا اظہار خواہ زبان سے ہو یا اعضاء وجوارح سے اکثر اس کا انجام ندامت وشرمندگی ہی ہے۔

بعض اگر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ غصہ کی حالت میں زبان سے نکلنے والی باتیں عنداللہ قابل مواخذہ نہیں، یا غصہ کی حالت میں لیے گئے فیصلے یا اقدامات نافذ نہیں ہوں گے یا ان کا اعتبار یا شمار نہیں ہوگا، یہ ایک غلط فہمی ہے، غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔

اس لیے لوگ فطری طور پر کسی بات پر یا کسی کام پر غصہ آجائے تو اپنے آپ پر قابو اور کنٹرول رکھنا، غصہ کو پی جانا اور انتقام کا جذبہ دل میں نہ رکھنا ہی ایک مسلمان کی شان ہے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿والذين يجتنبون كبائر الاثم والفواحش واذا ما غضبوا هم يغفرون﴾ (شوری: ۳۷) اور جو لوگ بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب وہ غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔

سورہ آل عمران میں اللہ تعالی نے مومن بندوں کے اوصاف حمیدہ کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وسارعوا إلى مغفرة من ربكم وجنة عرضها السماوات والأرض أعدت للمتقين الذين ينفقون في السراء والضراء والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس والله يحب المحسنين﴾۔ (۱۳۳،۱۳۴)

اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کی مانند ہے جو اہل تقوی کے

لیے تیار کی گئی ہے، جولوگ وسعت وتنگی کی حالت میں خرچ کرتے ہیں، غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ عفو ودرگذر کا معاملہ کرتے ہیں اور اللہ اہل احسان سے محبت رکھتا ہے۔

صحابہ کرام اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آکر سوال کیا کرتے تھے اور آپ مناسب حال جواب دیا کرتے، ایک صحابی نے آکر اللہ کے رسول سے سوال کیا، یارسول اللہ! "علمني شيئا ولا تكثر علي لعلي أعيه قال لا تغضب فردد ذلك مرارا كل ذلك يقول لا تغضب"۔ (بلوغ المرام: ۱۴۹۳ بحوالہ بخاری) اے اللہ کے رسول آپ مجھے کوئی بات سکھلا دیں اور مجھے زیادہ باتیں نہ بتلائیں، شاید میں اسے یاد رکھ سکوں، آپ نے فرمایا: غصہ مت کرو، اس صحابی نے ہر سوال کئی مرتبہ دوہرایا اور آپ ہر مرتبہ یہی جواب دیا، غصہ مت کرو۔

صحابی رسول کو آپ نے غصہ سے بچنے کی نصیحت اس لیے کی کیونکہ اس سے بچ کر اور اس پر قابو اور کنٹرول رکھ کر انسان زبان وعمل کے بہت سارے گناہوں سے جو غصہ کی حالت میں اس سے سرزد ہو سکتے ہیں، اپنے آپ کو بچا سکتا ہے، گویا غصہ شر اور گناہ کی کنجی ہے اور اسی لیے غصہ پر قابو رکھنے والوں کو حقیقی بہادر اور طاقتور قرار دیا گیا ہے۔

اس لیے کہ دوسروں پر قابو پانے سے زیادہ مشکل اپنے آپ پر قابو رکھنا ہے، جبکہ دوسروں کو شکست دینا اور زیر کرنے کو ہی انسان بہادری سمجھتا ہے اور اسی سے اس کے غصہ کو تسکین بھی حاصل ہوتی ہے، مگر آپ کا نفس آپ کے غصہ کی آگ کو بھڑکنے سے روک دے اور اگر بھڑک بھی جائے از خود اسے سرد کرنے کا سامان فراہم کردے، یہی کمال کی بات ہے اور اسی کمال کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسی کو اصل بہادری اور شجاعت قرار دیا گیا ہے، فرمان نبوی ہے: "ليس الشديد بالصرعة انما الشديد الذي يملك نفسه عند الغضب" (بلوغ المرام، ح: ۱۴۸۲ بحوالہ بخاری، مسلم) بہادر وہ نہیں جو لوگوں کو زیر کردے، اصل بہادر تو وہ ہے جو غصہ کی حالت میں بھی اپنے اوپر قابو رکھے۔

غصہ پر قابو اور کنٹرول رکھنے کے دنیاوی واخروی فوائد ہیں، دنیا میں غصہ پر قابو رکھنے والا شخص شرفاء اور اہل دانش کی نظر میں محترم ہوتا ہے، ایک طرف تو وہ غصہ سے بچ کر وہ اپنے آپ کو بہت سے شرور سے بچاتا ہے، تو دوسری طرف زندگی کا سکون اور خرام مستی کو اس کا غصہ مکدر اور متاثر نہیں کرتا، بلکہ غصہ کے بجائے حلم اور انتقام کے بجائے عفو ودرگذر اسے ذہنی وجسمانی راحت کا سامان فراہم کرتا ہے۔

آخرت میں اس نیک عمل کے اجر وثواب کا اندازہ ان حدیثوں سے لگایا جاسکتا ہے: "ما من جرعة أعظم عند الله من جرعة غيظ كظمها عبد ابتغاء وجه الله وفى رواية أحب الى الله من جرعة غيظ"۔ (الادب المفرد: ۱۳۱۸، جامع العلوم والحکم: ۱۷۶ بحوالہ مسند احمد)

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ اجر وثواب والا غصہ کا وہ گھونٹ ہے جو ایک بندہ اللہ کی رضا کی خاطر پی جاتا ہے اور

ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب گھونٹ۔

ایک صحابی نے اللہ کے رسول سے پوچھا: "دلني على عمل يدخلني الجنة ولا تكثر علي قال لا تغضب"۔ (جامع العلوم والحکم:۱۷۳)

مجھے کوئی ایسا عمل بتلادیں جو مجھے جنت میں لے جائے اور مجھے زیادہ مت بتلائیے، آپ نے کہا غصہ مت کر۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت ہے کون سا عمل مجھے اللہ کے غضب سے بچائے گا، آپ نے فرمایا: لا تغضب غصہ مت کرو۔ (جامع العلوم:۱۷۴ بحوالہ مسند احمد)

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "من كف غضبه كف الله عنه عذابه"۔ (بلوغ المرام ح:۱۵۰۷ بحوالہ طبرانی)

جو اپنے غصہ کو روکے گا اللہ اسے اپنے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

غصہ چونکہ انسان کے اندر فطری طور پر پایا جاتا ہے اس لیے اس کا اظہار بھی فطری بات ہے اور اس فطری عمل کو روکنا آسان بات نہیں ہے، اس لیے حدیثوں میں ایسے اسباب اور تدابیر بتلائی گئی ہیں جن کے اختیار کرنے سے یہ مشکل عمل آسان ہوسکتا ہے، حضرت سلمان بن صرد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "كنت جالسا مع النبي ﷺ والرجلان يستتان واحدهما احمر وجهه وانتفخت أوداجه فقال انى لا علم كلمة لو قالها لذهب عنه ما يجد فقالوا له ان النبي ﷺ قال تعوذ بالله من الشيطان الرجيم فقال وهل لي من جنون"۔ (الادب المفرد:۱۳۱۹)

میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بیٹھا تھا اور دو آدمی ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے، ایک کا چہرہ سرخ ہوگیا اور رگیں پھول گئیں، آپ نے فرمایا، میں ایک ایسی بات جانتا ہوں، اگر یہ کہے تو اس کا غصہ سرد پڑ جائے، لوگوں نے اس سے کہا کہ اللہ کے رسول فرماتے ہیں: مردود شیطان سے اللہ کی پناہ چاہو، اس نے کہا کیا میں جنون کا شکار ہوں؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "علموا ويسروا علموا ويسروا ثلاث مرات واذا غضبت فاسكت مرتين"۔ (الادب المفرد:۱۳۲۰)

تعلیم دو اور آسانی پیدا کرو، تعلیم دو اور آسانی پیدا کرو، تین بار آپ نے فرمایا اور جب غصہ کی حالت میں رہو تو خاموشی اختیار کرو، دو بار آپ نے یہ بات فرمائی۔

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: "ألا ان الغضب جمرة في قلب بني آدم اما رأيتم الى حمرة عينيه وانتفاخ أوداجه فمن أحس من ذلك بشيء فليلزق بالأرض"۔ (جامع العلوم:۱۷۵ بحوالہ سنن ترمذی، مسند احمد)

غصہ انسان کے دل میں ایک انگارہ ہے، کیا تم اس کے آنکھ کی سرخی اور اس کے رگوں کے پھڑکنے کو نہیں دیکھتے، پس تم

میں سے کوئی اسے محسوس کرے تو وہ زمین سے لگ جائے۔

اس حکم کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے: "اذا غضب أحدكم وهو قائم فليجلس فإذا ذهب عنه الغضب والا فليضطجع"۔ (جامع العلوم ۱۷۵ بحوالہ سنن ابوداود، مسند احمد) جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہوا ہو تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔

ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "ان الغضب من الشيطان وان الشيطان خلق من النار وانما نطفا النار بالماء فاذا غضب أحدكم فليتوضأ"۔ (جامع العلوم: ۱۷۶ بحوالہ سنن ابوداود، مسند احمد)

غصہ شیطان بھڑکاتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو ہم پانی سے سرد کرتے ہیں، اس لیے جب تم میں سے کوئی غصہ ہو تو وضوء کر لے۔

البتہ اگر غصہ ذاتی نوعیت کی کسی بات یا کسی عمل کے ردعمل کے طور پر نہ ہو بلکہ کسی شرعی حکم کی مخالفت یا عقیدہ وعمل کے انحراف پر ناراضگی کے طور پر ہو تو یہ شرعاً مطلوب ومحمود ہے، صحابی رسول ابومسعود عقبہ بن عامر البدری بیان کرتے ہیں ایک شخص نے آکر اللہ کے رسول ﷺ سے کہا کہ میں فجر کی نماز میں تاخیر سے فلاں امام کی وجہ سے جاتا ہوں، اس لیے کہ وہ لمبی نماز پڑھاتے ہیں، راوی حدیث کہتے ہیں: " فما رأيت النبى غضب فى موعظة قد أشد مما غضب يومئذ فقال يا أيها الناس ان منكم منفرين فأيكم أم الناس فليؤجز فان من ورائكم الكبير والصغير وذا الحاجة" کبھی نصیحت کرنے کے موقع پر آپ کو اس قدر ناراض نہیں دیکھا، جس قدر اس دن دیکھا، آپ نے فرمایا اے لوگو تم میں نفرت پیدا کرنے والے ہیں، تم میں سے جو امامت کرے وہ اختصار سے کام لے، اس لیے کہ تمہارے پیچھے عمر دراز اور بچے بھی ہوتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ذاتی نوعیت کے معاملات میں غصہ سے بچا جائے، اس لیے کہ غصہ کی حالت میں شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور غصہ کرنے والے کے لیے شر کے ایک بڑے دروازے کو کھول دیتا ہے اور غصہ پر قابو رکھنے والا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر کے اللہ کو خوش کرتا ہے اور اللہ کے دشمن کو ذلیل ورسوا کرتا ہے۔ ایک مسلمان سے یہی مطلوب ہے۔

☆☆☆

شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی رحمہ اللہ کی علمی وفقہی بصیرت

مولانا محمد مستقیم سلفی

شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس نے رسالہ محدث کا شیخ الحدیث نمبر نکالنے کا اعلان کیا، جس پر شیخ الحدیث نمبر کے لیے مضامین کثرت سے آئے، میں نے بھی اس موقع پر شیخ الحدیث نمبر کے لیے ایک مضمون بعنوان: ''شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی: حیات وخدمات'' لکھا، مضامین کی کثرت کی بنا پر منتظمین جامعہ نے یہ نمبر دوحصوں میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا، جس کی بنا پر میں نے اپنے اس مضمون کو دونوں شماروں کے لیے دوحصوں میں تقسیم کردیا، پہلا حصہ بعنوان: ''مولانا عبیداللہ رحمانی کی زندگی کے اہم پہلو'' تھا جو شیخ الحدیث نمبر (۱) میں شائع ہوا، یہ نمبر جنوری وفروری ۱۹۹۷ء کے دوشماروں پر مشتمل ہے، دوسرا حصہ بعنوان: ''شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری کی علمی وفقہی بصیرت'' ہے جسے میں نے الگ کرلیا تھا تاکہ اسے شیخ الحدیث نمبر (۲) میں شائع کیا جائے، لیکن بدقسمتی سے اب تک دوسرا نمبر شائع نہ ہوسکا، اب میں نے مناسب سمجھا کہ اس مضمون کو شائع کردیا جائے، کیونکہ یہ مضمون اہل علم کے لیے بہت مفید ہے، اس میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی علمی اور فقہی بصیرت بیان کرنے کے لیے بطور نمونہ جامع ترمذی کے ایک باب ''باب ماجاء فی الصلاۃ خلف الصّف وحدہ'' کے تحت امام ترمذی کی ایک حدیث کو میں نے پیش کیا ہے، جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے دوطریق سے بیان کرکے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے، لیکن وجہ ترجیح واضح نہیں ہے، جس کو استاذ محترم مولانا احمداللہ صاحب بنگالی رحمانی رحمہ اللہ نے اپنے استاذ شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ سے استفسار کیا، جس کی توضیح کرکے شیخ صاحب نے تحریری شکل میں مولانا احمداللہ صاحب کے پاس بھیج دیا، مولانا اہل علم کے فائدہ کے لیے شیخ صاحب کی اس توضیح کو رسالہ ''مصباح'' میں جو زیر ادارت مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی رحمہ اللہ ششہنیاں سدھارتھ نگر سے نکلتا تھا، شائع کردیا، حضرت الشیخ مبارکپوری کی اس توضیح پر شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی رحمہ اللہ نے تعاقب کیا، پھر حضرت الشیخ کی توضیح اور مولانا کھنڈیلوی کے تعاقب پر مولانا عبدالجلیل صاحب سامرودی نے محاکمہ کیا، پھر حضرت الشیخ مبارکپوری کی جانب سے مولانا کھنڈیلوی کا جواب اور محاکمہ سامرودی کا رد ہوا، جسے من وعن ذیل میں درج کیا جارہا ہے، تاکہ اہل علم حضرات اس سے مستفید ہوں اور حضرت الشیخ مبارکپوری کی محدثانہ عظمت ولیاقت، دقت نظری اور بلند نگاہی سب پر عیاں ہوجائے۔

مولانا احمداللہ رحمانی کا استفسار:

جامع ترمذی ''باب ماجاء فی الصلاۃ خلف الصّف وحدہ'' کے تحت امام ترمذی نے حضرت وابصہ بن معبدؓ کی حدیث دو طریق سے روایت کی ہے، اوران میں سے ایک طریق کو دوسرے پر ان الفاظ میں ترجیح دی ہے: "وهذا عندي أصح من حديث عمرو بن مرة لأنه قد روي من غير حديث هلال بن يساف عن زياد بن أبى الجعد عن وابصة".

اس وجہ ترجیح کی توضیح کی ضرورت ہے، اس سے طریق اول کا دوسرے پر رجحان کیونکر ثابت ہوا؟ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۱۹۵ میں اس مقام کی توضیح نہیں کی گئی۔

جواب:

بلاشبہ یہ مقام محتاج بسط وتوضیح ہے، نہ معلوم حضرت شیخؒ نے اس سے کیوں نہیں تعرض فرمایا۔ امام ترمذی کی بیان کردہ وجہ ترجیح کی تشریح وتوضیح سے پہلے ضرورت ہے کہ حدیث کی سند میں جو کچھ اختلاف ہے، اسے بالتفصیل بیان کردیا جائے تاکہ یہ مقام پورے طور پر واضح ہوجائے۔

حضرت وابصہ کی یہ حدیث حسب ذیل پانچ طرق سے مروی ہے:

(۱) ابوالاحوص عن حصین عن ہلال بن یساف عن زیاد بن الجعد عن وابصۃ بن معبد (ترمذی)
سفیان الثوری عن '' عن '' عن '' عن '' (مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۸)
شعبہ عن '' عن '' عن '' عن '' (احمد ج ۴ ص ۲۲۸)
ابن عیینہ عن '' عن '' عن '' عن '' (بیہقی ج ۳ ص ۱۰۴)
وعبثر بن القاسم عن '' عن '' عن '' عن '' (دارمی ص ۲۹۴-۲۵۹، ابن حبان، بزار)

(۲) عبداللہ بن ادریس عن حصین عن ھلال بن یساف (من غیر واسطۃ زیاد بن ابی الجعد) عن وابصۃ بن معبد (ابن ماجہ ص ۷۱)
الثوری عن '' عن '' ('' '') عن '' (بیہقی ج ۳ ص ۱۰۴)
'' عن المنصور[۲] عن '' ('' '') عن '' (ابن الجارود ص ۱۶۱)
الاعمش عن شمر[۳] بن عطیہ عن '' ('' '') عن '' (احمد ۴/۲۲۸)

(۳) شعبہ[۱] عن عمرو[۲] بن مرۃ عن ھلال[۳] بن یساف سمعت عمرو بن راشد عن وابصۃ بن معبد
(احمد ۴/۲۲۷، و ۲۲۸، ترمذی، طیالسی، ابوداود، بیہقی ج ۳ ص ۱۰۳، ۱۰۴، ابن حبان بزاز)

(۴) وکیع[۱] عن یزید بن[۲] زیاد بن ابی الجعد عن عمہ عبید[۳] بن ابی الجعد عن زیاد[۴] بن ابی الجعد عن وابصہ[۵] بن معبد (احمد ج ۴ ص ۲۲۸)
عبداللہ بن داود عن '' عن '' عن '' عن ''
(دارمی ص ۲۹۵، بیہقی ج ۳ ص ۱۰۳-۱۰۵، ابن حبان بزار)

(۵) عمر[۱] بن علی عن اشعث[۲] بن سوار عن بکیر[۳] بن الاخنس عن حنش[۴] بن المعتمر عن وابصہ[۵] (علل ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۱۰۴)

پہلے اور دوسرے اور تیسرے طریق کے اختلاف کا ماحصل یہ ہے کہ:

ہلال بن یساف کے تلامذہ کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ ہلال اور وابصہ صحابی کے درمیان واسطہ ہے یا نہیں اور اگر واسطہ ہے تو وہ کون ہے۔

ہلال کے چار شاگردوں (حصین، منصور، شمر بن عطیہ، عمرو بن مرہ) میں سے ایک شاگرد حصین کے پانچ تلامذہ ابو الاحوص سفیان ثوری، شعبہ، ابن عیینہ، عبثر اور ہلال کے چوتھے تلمیذ عمرو بن مرہ تو ہلال اور وابصہ کے درمیان واسطہ ذکر کرتے ہیں، لیکن حصین کے تلامذہ مذکورین واسطہ زیاد بن ابی الجعد کا بتاتے ہیں اور عمرو بن مرہ واسطہ کا نام عمرو بن راشد بتاتے ہیں۔

اور حصین کے دو شاگرد عبداللہ بن ادریس اور ثوری اور ہلال کے دوسرے اور تیسرے تلمیذ منصور وشمر بن عطیہ کوئی واسطہ نہیں ذکر کرتے۔

''ہلال عن زیاد عن وابصہ'' کے طریق کی تائید ''عبید بن ابی الجعد عن زیاد بن وابصہ'' سے ہوتی ہے، جس میں عبید نے وابصہ کی یہ حدیث اپنے بھائی زیاد کے واسطہ سے لی ہے۔

حدیث کی سند میں اس اختلاف کی وجہ سے بعض محدثین نے اس کو معلول اور مضطرب کہہ دیا ہے، چنانچہ امام بیہقی معرفۃ السنن میں لکھتے ہیں: وانما لم یخرجاہ صاحب الصحیح لما وقع فی سندہ من الاختلاف۔ (نصب الرایہ ج ۲ ص ۳۸)

اور حافظ بزار اپنی سند میں لکھتے ہیں: اما حدیث عمرو بن راشد فان عمرو بن راشد رجل لا یعلم حدث الا بهذا الحدیث ولیس معروفا بالعدالة فلا یحتج بحدیثه واما حدیث حصین فان حصینا لم یکن بالحافظ فلا یحتج بحدیثه في حکم واما حدیث یزید بن زیاد فلا نعلم أحدا من أهل العلم الا وهو یضعف اخباره فلا یحتج بحدیثه وقد روی عن شمر بن عطیة عن هلال بن یساف عن وابصة وهلال لم یسمع من وابصة فامسکنا عن ذکره لارساله، انتهی۔ (نصب الرایۃ ج ۲ ص ۳۸)

اور حافظ درایہ میں لکھتے ہیں اخرجہ البزار وضعفہ انتھی۔

اور بعض محدثین نے ترجیح کا مسلک اختیار کیا ہے، چنانچہ امام ابوحاتم اور امام احمد نے ''عمرو بن مرہ عن ہلال عن عمرو بن راشد عن وابصۃ'' کے طریق کو ترجیح دی ہے، فقد ذکر ابن أبی حاتم في العلل (ج ۱ ص ۱۰۰) انه سأل أباه عن روایتي حصین وعمرو بن مرة عن هلال أیهما أشبه قال عمرو بن مرة أحفظ انتهی وقال الدارمي في سننه ج ۱ ص ۲۹٤) کان أحمد بن حنبل یثبت حدیث عمرو بن مرة انتهی۔

اور خود امام دارمی نے ''یزید بن زیاد عن عبید بن الجعد عن زیاد عن وابصۃ'' کے طریق کو ترجیح دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: وأنا أذهب الی حدیث یزید بن زیاد بن أبی الجعد انتهی (سنن دارمی ج ۱ ص ۲۹۴) اور امام ترمذی نے "حصین عن هلال عن زیاد بن وابصة" کو ارجح واصح بتایا ہے، اور وجہ اصحیت یہ لکھی ہے: "لأنه قد روی من غیر حدیث هلال بن یساف عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصة انتهی۔

اس عبارت میں "حدیث" کے اعراب میں دو احتمال ہے ایک یہ کہ "حدیث" کو "هلال بن یساف" کی طرف مضاف کرکے من غیر حدیث هلال بن یساف پڑھا جائے، اے اس صورت میں "روی" فعل مجہول کا مفعول ما لم یسم فاعله " عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصة" ہوگا، اور مطلب یہ ہوگا کہ "حصین عن هلال بن یساف عن زیاد عن وابصة" کے ارجح واصح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہلال کی حدیث طریق مذکور کے علاوہ بعض دوسرے طرق میں بھی "عن زیاد عن وابصة" یعنی زیاد کو وابصہ کا شاگرد بتانے میں ہلال منفرد نہیں ہیں بلکہ بعض دوسرے رواۃ نے تابعی کا نام زیاد بتانے میں ہلال کی متابعت وموافقت کی ہے اور وہ متابع یزید بن زیاد بن ابی الجعد عن عبید بن ابی الجعد ہیں جیسا کہ گذر چکا اور ''عمرو بن راشد'' کا واسطہ بتانے میں ''عمرو بن مرہ عن ہلال'' کا کوئی متابع نہیں ہے۔ ابن حبان لکھتے ہیں: "لیس هذا الخبر مما تفرد به هلال بن یساف ثم ذکر حدیث یزید بن زیاد عن عمه عبید بن ابی الجعد عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصة۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ "حدیث" کو مضاف نہ کہا جائے بلکہ اس کو یوں منون پڑھا جائے "لأنه قد روى من غير حديث هلال بن يساف عن زياد عن وابصة۔ اس صورت میں "روى" کا مفعول ما لم يسم فاعله "هلال بن يساف" الخ ہوگا، اور مطلب یہ ہوگا کہ کئی طریق سے عن هلال عن زياد عن وابصة مروی ہے، یعنی ابوالاحوص جو تلمیذ ہیں حصین کے ہلال سے اوپر زیاد بن ابی الجعد ذکر کرنے میں متفرد نہیں ہیں بلکہ ان کے چار متابع موجود ہیں: ثوری، شعبہ، ابن عیینہ، عبثر بن القاسم اور ادھر عمرو بن مرہ اور ان کے تلمیذ شعبہ ہلال سے اوپر عمرو بن راشد ذکر کرنے میں متفرد ہیں اور ان کا کوئی متابع نہیں ہے، اس دوسرے احتمال کی تائید زیلعی کی اس عبارت سے ہوتی ہے جس کو انہوں نے بحوالہ ترمذی نقل کیا ہے وهو عندي أصح من حديث عمرو بن مرة لأنه روى من غير وجه عن هلال عن زياد عن وابصة۔ (نصب الرایہ ج۲ ص۳۸)

اور ظاہر ہے کہ جماعت کی روایت کو فرد کی روایت پر ترجیح ہوتی ہے كما تقرر في موضعه ونیز ثوری اور شعبہ میں اختلاف ہو تو ثوری کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے، ونیز شعبہ خود فرماتے ہیں: سفيان أحفظ مني ونیز خود شعبہ نے بھی ثوری کی موافقت کی ہے اور شعبہ کی کسی نے موافقت نہیں کی ہے۔

اور بعض محدثین نے تطبیق کی صورت اختیار کی ہے اور سب طرق کو صحیح بتایا ہے، زیلعی لکھتے ہیں:

ورواه ابن حبان في صحيحه بالاسنادين المذكورين: سند[1] حصين عن هلال عن زياد عن وابصة وسند[2] عمرو بن مرة عن هلال عن عمرو بن راشد عن وابصة۔ ثم قال وهلال بن يساف سمعه من عمرو بن راشد ومن زياد بن ابى الجعد عن وابصة فالخبران محفوظان وليس هذا الخبر مما تفرد به هلال بن يساف ثم أخرجه عن يزيد بن زياد عن عمه عبيد بن ابى الجعد عن أخيه زياد بن أبى الجعد عن وابصة فذكره انتهى۔ (نصب الرایہ ج۲ ص۳۸)

اور ظاہر یہی ہے کہ یہ تمام طرق صحیح ہیں، ان کے رواۃ ثقہ ہیں اور ہر طریق دوسرے کا موید ہے، ان میں کوئی ٹکراؤ اور اضطراب موجب للضعف، قادح فی صحۃ الحدیث موجود نہیں ہے۔

صورت یہ ہوئی ہے کہ ہلال نے یہ حدیث پہلے عمرو بن راشد سے سنی، اس کے بعد وابصہ سے، زیاد بن ابی الجعد کی موجودگی اور حضور میں ملاقات کی، عند الملاقات والا اجتماع زیاد نے اس حدیث کو ہلال سے اس حال میں بیان کیا کہ وابصہ سن رہے تھے، كما يدل عليه سند الحديث عند الترمذي وهذا يرد على قول البزار ان هلالا لم يسمع من وابصة۔ وابصہ نے سن کر سکوت فرمایا ان کا یہ سکوت اقرار کے حکم میں ہو گیا، اس طرح یہاں "قراءة على العالم" اور "عرض على الشيخ" کی صورت متحقق ہوئی، جو تحمل حدیث کے انواع معتبرہ میں سے ہے، گویا ہلال نے خود وابصہ سے یہ حدیث سن لی، اسی لیے وہ بعض اوقات وابصہ سے بلا واسطہ زیاد روایت کرتے ہیں۔ بہر حال یہ بلا واسطہ زیاد والی روایت بھی متصل ہے اور اس میں تدلیس کا شائبہ نہیں ہے، اسی چیز کی طرف امام ترمذی نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے، وفي حديث حصين ما يدل على ان هلالا قد أدرك وابصة انتهى فرواية هلال عن وابصة ورواية هلال عن زياد عن وابصة كلتاهما بمعنى واحد۔

یا ہلال نے پہلے زیاد کی موجودگی میں وابصہ سے ملاقات کی اور حدیث کو وابصہ کے حضور میں زیاد کی زبان سے سنا، پھر عمرو بن راشد سے بھی سنا، وقد صرح هلال بسماعه من عمرو بن راشد في رواية أبى داود الطيالسى فهو اسناد متصل أيضا وعمرو بن راشد قد وثقه ابن حبان كما في الخلاصة۔

بنابریں ہلال کبھی عمرو بن راشد سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں اور کبھی زیاد عن وابصہ سے اس لیے کہ زیاد ہی اصل اپنی زبان سے حدیث بیان کرنے والے ہیں اور کبھی براہ راست وابصہ سے روایت کرتے ہیں، کیونکہ زیاد کی تحدیث کے وقت وابصہ سماع فرمارہے تھے، اور سکوت کے ذریعہ حدیث کا اقرار کیا تھا، اور کبھی زیاد کے حدیث کو وابصہ کے حضور میں بیان کرنے کو نقل کردیتے ہیں اور یہ سب صورتیں اپنی جگہ پر صحیح ہیں، اور تمام طرق ثابت اور محفوظ ہیں۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زیاد کے طریق میں اختلاف سیاق، رواۃ کے تصرف کا نتیجہ ہو، پھر اس کی تائید ''یزید بن زیاد عن عمہ عبید بن ابی الجعد عن زیاد بن ابی الجعد'' کی روایت سے بھی ہوتی ہے، كما تقدم ، یہ سند بھی صحیح ہے، یزید کی امام احمد بن معین عجلی وغیرہم نے توثیق کی ہے اور عبید ثقہ تابعی ہیں، ابن حبان نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، مذکورہ بالا توجیہ وتطبیق کو امام ابن حزم نے محلی (ص ۵۳ ص ۵۴ ج ۴) میں پسند کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ورواية هلال بن يساف حديث وابصة مرة عن زياد بن ابى الجعد ومرة عن عمرو بن راشد قوة للخبر وعمرو بن راشد ثقة وثقه أحمد بن حنبل وغيره انتهى۔ اور واضح ہو کہ مسند احمد کی روایت "شمر بن عطية عن هلال عن وابصة بھی صحیح ہے، شمر کی توثیق، ابن نمیر، ابن معین، نسائی، عجلی، ابن سعد وغیرہم نے کی ہے۔

اور اصل حدیث کی تقویت کے لیے پانچویں طریق کو ذکر کرنا بے موقع نہ ہوگا، اگر چہ وہ سندا کمزور ہے، امید ہے اس مفصل تقریر سے یہ مقام حل ہوجائے گا۔

تنبیہ:

"لأنه قد روى من غير حديث هلال بن يساف عن زياد بن ابى الجعد عن وابصة" کے بعد جامع ترمذی مطبوعہ دہلی ۱۳۲۸ھ اور جامع ترمذی مطبوعہ بولاق مصر ۱۲۹۲ھ اور ترمذی متن تحفۃ الاحوذی میں یہ عبارت واقع ہے: "حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن عمرو بن مرة عن زياد بن ابى الجعد عن وابصة قال و" واقع ہے اور یہ زیادہ بے اصل ہے، نساخ کی غلطی سے اس کا اضافہ ہوگیا ہے، جامع ترمذی کے تین صحیح نسخے اس زیادہ سے خالی ہیں۔

(۱) طبعة بولاق مصر ۱۲۹۲ھ ملك الشيخ احمد الرفاعى المالكى وقد قرأ الكتاب فيها درسا وصححها وضبطها بخطه ۱۳۱۱ھ۔

(۲) مخطوطة الشيخ عابد السندى محدث المدينة المنورة فى القرن الماضى وقد قرأها وصححها بنفسه فى سنته ۱۲۲۱ وهى من أصح النسخ۔

(۳) مخطوطة دار الكتب العربية وتاريخها ۷۲۶ ، كذا حققه وذكره العلامة الشيخ أحمد محمد شاكر القاضى الشرعى فى تعليقه على جامع الترمذى۔

☆☆

اسلام کی روح نماز

نماز ایک مہتم بالشان عبادت ہے، توحید ورسالت کے اقرار کے بعد اسلام کا سب سے پہلا رکن ہے، ایک مسلمان کو نماز کے جن ضروری احکام ومسائل سے واقفیت ہونی چاہئے ان کا ذکر زیر نظر مضمون میں کیا گیا ہے، اسی اہمیت وافادیت کی وجہ سے یہ پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

نماز کی شرائط: نماز کی نو شرطیں ہیں: مسلمان ہونا، عاقل ہونا، باشعور ہونا، طہارت حاصل کرنا، نجاست زائل کرنا، ستر چھپانا، وقت کا داخل ہونا، قبلہ کی جانب منہ کرنا اور نیت کرنا۔

نماز کے ارکان: نماز کے چودہ ارکان ہیں: قیام جب (اس کی) قدرت وطاقت ہو، تکبیر تحریمہ، سورہ فاتحہ پڑھنا، رکوع کرنا، رکوع کے بعد اچھی طرح کھڑے ہونا، سات اعضاء پر سجدہ کرنا، سجدہ سے اٹھنا، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا، تمام افعال کو اطمینان سے ادا کرنا، ارکان نماز کو (ان کی) ترتیب کے مطابق ادا کرنا، آخری تشہد، آخری تشہد کے لیے بیٹھنا، نبی ﷺ پر درود پڑھنا، اور دونوں جانب سلام پھیرنا۔

نماز کے واجبات: نماز میں آٹھ چیزیں واجب ہیں، تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی تکبیریں، امام اور منفرد (تنہا نماز پڑھنے والے) کا سمع الله لمن حمده کہنا، سب (امام، مقتدی اور منفرد) کا ربنا ولك الحمد کہنا، رکوع میں سبحان ربي العظيم کہنا، سجدوں میں سبحان ربي الأعلى کہنا، دونوں سجدوں کے درمیان رب اغفر لي کہنا، پہلے تشہد اور دوسرے تشہد کے لیے بیٹھنا۔

تشہد کا بیان: تشہد سے مراد یہ ہے کہ آپ تشہد کی دعا پڑھیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

''میری ساری قولی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالی کے لیے ہیں، اے نبی ﷺ آپ پر اللہ کی سلامتی ہو، اس کی رحمت ہو، اور اس کی برکتیں ہوں، سلامتی ہو، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔

پھر نبی ﷺ پر درود پڑھیں اور آپ کے لیے برکت کی دعا کریں، درود کے کلمات کا ترجمہ یہ ہے: ''اے اللہ! محمد اور آل محمد کو مقام ومرتبہ عنایت فرما، جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم کو مقام ومرتبہ عنایت فرمایا، یقیناً تو تعریف کے لائق بزرگی والا ہے، اور برکت نازل فرما محمد اور آل محمد پر جس طرح تو ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی، یقیناً تو قابل تعریف بزرگی والا ہے۔

پھر آخری تشہد میں عذاب جہنم، عذاب قبر، موت وحیات کے فتنہ اور مسیح دجال کے فتنہ سے اللہ تعالی کی پناہ طلب

کریں، پھر جو دعا چاہیں وہ اختیار کریں، خصوصا وہ دعائیں جو قرآن وسنت میں وارد ہوئی ہوں۔

ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے پہلے تشہد میں شہادتین (توحید ورسالت کی گواہی) کے بعد تیسری رکعت ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے اور اگر نبی ﷺ پر درود پڑھے تو زیادہ اچھا ہے، اس لیے کہ درود (پڑھنے کا حکم دینے) والی احادیث (پہلے اور آخری تشہد دونوں کو) شامل ہیں، اور (درود پڑھنے کے بعد) پھر تیسری رکعت ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے۔

نماز کی سنتیں: نماز کی کچھ سنتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) دعا استفتاح پڑھنا۔

(۲) رکوع سے پہلے اور بعد ہر دو قیام میں دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھنا۔

(۳) تکبیر اول کہتے ہوئے، رکوع میں جاتے ہوئے، رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اور پہلے تشہد سے تیسری رکعت کے لیے اٹھتے ہوئے اس انداز سے کندھوں یا کانوں کے برابر رفع الیدین کرنا (یعنی دونوں ہاتھ اٹھانا) کہ انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہوں (بند نہ ہوں بلکہ) پھیلی ہوئی ہوں۔

(۴) رکوع اور سجدہ میں ایک سے زائد بار تسبیح (سبحان ربي العظيم اور سبحان ربي الأعلى وغیرہ) پڑھنا۔

(۵) رکوع کے بعد والے قیام میں "ربنا ولك الحمد" کہنے کے بعد مزید دعا پڑھنا اور دونوں سجدوں کے درمیان ایک سے زائد بار "رب اغفر لي" کہنا۔

(۶) رکوع میں سر کو پیٹھ کے برابر رکھنا۔

(۷) سجدہ میں بازوؤں کو پہلوؤں سے پیٹ کو رانوں سے اور رانوں کو پنڈلیوں سے دور رکھنا۔

(۸) بوقت سجدہ بازوؤں کو زمین سے اٹھائے رکھنا۔

(۹) پہلے تشہد میں اور دونوں سجدوں کے مابین نمازی اپنے بائیں پاؤں پر اس طرح بیٹھے کہ بایاں پاؤں بچھا ہوا ہو، اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے۔

(۱۰) تین اور چار رکعت والی نماز کے آخری تشہد میں تورک کرنا، تورک کا مطلب یہ ہے کہ اپنے سرین پر بیٹھنا اور بائیں پاؤں کو دائیں پاؤں کے نیچے رکھنا نیز دائیں پاؤں کو کھڑے رکھنا۔

(۱۱) پہلے اور آخری تشہد میں (تشہد کے لیے) بیٹھنے سے لے کر تشہد کے آخر تک شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے رہنا اور بوقت دعا اسے ہلاتے رہنا۔

(۱۲) پہلے تشہد میں محمد ﷺ اور آل محمد، ابراہیم اور آل ابراہیم پر درود پڑھنا اور ان کے لیے برکت کی دعا کرنا۔

(۱۳) آخری تشہد میں دعا کرنا۔

(۱۴) نماز فجر، نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز استسقاء اور نماز مغرب وعشاء کی پہلی دونوں رکعتوں میں بلند آواز سے قرأت کرنا۔

(۱۵) ظہر وعصر میں، مغرب کی تیسری رکعت میں اور عشاء کی آخری دونوں رکعتوں میں سری (آہستہ آواز سے) قرأت کرنا۔

(۱۶) سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن کریم میں سے کچھ اور بھی پڑھنا، مذکور سنتوں کے علاوہ نماز کی دیگر سنتوں کا بھی خیال رکھنا چاہئے جو (احادیث نبویہ میں وارد ہوئی ہیں، ان میں سے (ایک یہ) ہے:

رکوع سے سر اٹھانے کے بعد نمازی کا ''ربنا ولک الحمد'' سے زائد پڑھنا، یہ ہر نمازی کے حق میں سنت ہے، چاہے وہ امام ہو یا مقتدی یا تنہا نماز پڑھنے والا۔

نماز کی سنتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رکوع کے وقت دونوں ہاتھ گھٹنوں پر اس طرح رکھنا کہ انگلیاں کشادہ کشادہ ہوں۔

نماز کو باطل کردینے والے امور: نماز نو چیزوں سے باطل ہوجاتی ہے، اور وہ یہ ہیں:

(دوران نماز گفتگو کرنے کی حرمت) معلوم ہوجانے کے باوجود جانتے بوجھتے قصداً گفتگو کرنا، البتہ جو (اس کی حرمت کے حکم سے) ناواقف ہو یا بھول کر گفتگو کرلے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔

ہنسنا، کھانا، پینا، ستر کا ننگا ہوجانا، قبلہ کی جہت سے بہت زیادہ ہٹ جانا، نماز میں تسلسل سے اور کثرت سے غیر ضروری حرکت کرنا، طہارت کا ختم ہوجانا۔

وضو کی شرائط: وضو کی دس شرطیں ہیں:

مسلمان ہونا، عقل کا ہونا، باشعور ہونا، نیت کرنا، نیت کے حکم کو باقی رکھنا یعنی کہ وضو مکمل ہونے تک نیت ختم کرنے کا ارادہ نہ کرے، ان چیزوں کا نہ ہونا جن سے وضو واجب ہوجاتا ہے، (قضائے حاجت کی صورت میں) وضو سے پہلے پانی سے یا پتھر سے یا مٹی کے ڈھیلے سے استنجاء کرنا، وضو کے پانی کا پاک ہونا اور اس سے وضو کا جائز ہونا، ان تمام چیزوں کو دور کرنا جو پانی کے جلد تک پہنچنے میں رکاوٹ ہوں، نماز کا وقت شروع ہونا، (یہ آخری شرط صرف) اس شخص کے لیے ہے جس کا وضو مسلسل ٹوٹتا رہتا ہو۔

وضو کے فرائض: وضو کے فرائض چھ ہیں:

چہرہ دھونا (یاد رہے کہ) کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا اسی فرض کا حصہ ہے، دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھونا، سارے سر کا مسح کرنا نیز دونوں کان (مسح کے لحاظ سے) سر کا حصہ ہیں، دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا، وضو ترتیب سے کرنا، وضو تسلسل سے بغیر کسی وقفہ کے کرنا۔

چہرہ، دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو تین تین مرتبہ دھونا مستحب ہے، کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کا بھی یہی حکم ہے (البتہ) فرض ایک ایک بار ہی ہے، سر کا مسح بار بار کرنا مستحب نہیں ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔

وضو توڑ دینے والی چیزیں: وضو توڑ دینے والی چیزیں چھ ہیں:

دونوں شرمگاہوں سے نکلنے والی کوئی چیز، جسم سے نکلنے والی پلید چیز جبکہ وہ زیادہ مقدار میں ہو، نیند یا کسی اور وجہ سے ہوا خارج ہونا، بغیر کسی حائل (آڑ) کے اگلی یا پچھلی شرمگاہ کو ہاتھ سے چھونا، اونٹ کا گوشت کھانا، مرتد ہوجانا، اور اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس سے بچائے رکھے۔☆☆ (ماخوذ: الدروس المھمۃ لعامۃ الأمۃ، تالیف: شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ، اردو ترجمہ: عبدالباسط فہیم)

خلوص وللّٰہیت اعمال عبادت میں

مولانا عبدالرحیم ریاضی

اسلام نے اپنے متبعین کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنی تمام عبادتیں چاہے وہ بدنی ہوں، مالی ہوں یا قلبی سب محض اللہ رب العالمین کے لیے خالص کرکے انجام دیں، اس میں کسی قسم کی ریا ونمود اور دنیاوی غرض وغایت کا دور سے بھی واسطہ نہ ہو، ﴿وما أمروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين﴾ (البینۃ:۵) یعنی انہیں سوائے اس کے اور کسی بات کا حکم نہیں دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خالص کرکے اس کی عبادت کریں۔ امام ثعلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مخلصین کا لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جنہوں نے اپنی عبادتوں کو اللہ کے لیے خاص کردیا، اسی بنا پر سورہ ''قل ھو اللہ أحد'' کو سورہ اخلاص کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں صرف اور صرف اللہ کی صفات کا تذکرہ ہے اور اس کی تقدیس اور پاکی کا بیان ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ سرائر واعمال واقوال میں صرف اور صرف اللہ کا ذکر اس کی عبادت کا قصد کیا جائے۔

امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اخلاص دل کو ان تمام آلائشوں سے بچانے کا نام ہے جو اس کو گدلا بناتے ہیں مکدر کرتے ہیں، لہذا جو دل ان آلائشوں سے پاک صاف رہا اسے قلب خالص کہا جاتا ہے۔

اور امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ اہل اسلام یہود کی تشبیہ اور نصاری کے عقیدہ تثلیث سے براءت کا اظہار کریں۔ (دیکھئے التوقیف علی مھمات التعریف)

قاضی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ لوگوں کے سبب کسی کام کو چھوڑ دینا ریا کاری ہے اور لوگوں کی خاطر کسی کام کی انجام دہی شرک ہے اور ان دونوں باتوں سے نجات پا جانا یہ اخلاص وللّٰہیت ہے۔ (مدارج السالکین ۹۵/۳)

لہذا معلوم ہوا کہ انسان سے جو بھی عمل سرزد ہو اگر وہ اللہ جل شانہ کی رضا وخوشنودی کے لیے ہے تو اسے عمل خالص کہا جائے گا، کیونکہ وہ شرک وریاء دکھاوے اور شہرت سے مبرا ہے، کیونکہ جب عمل انسانی میں یہ منفی عوارض داخل ہوجاتے ہیں تو عمل کا اخلاص جاتا رہتا ہے اور اسے خالص نہیں کہا جاسکتا۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص ہی اصل دین ہے جس کے بغیر اللہ تبارک وتعالی بندوں کا کوئی عمل قبول نہیں کرے گا، اسی پر سارے انبیاء ورسل کی بعثت ہوئی، تمام کتابیں نازل ہوئیں، اسی پر تمام ائمہ توحید متفق ہیں، یہی انبیاء کی دعوت کا نچوڑ اور خلاصہ ہے، یہی قرآن کا وہ دھرا ہے جس پر اس کی تعلیمات کا پہیہ گردش کرتا ہے۔ (دیکھئے النھضۃ العراقیۃ فی اعمال القلوب ص ۵۸)

ائمہ کرام نے اعمال کی قبولیت کے لیے دو بنیادی شرطیں رکھی ہیں (۱) یہ کہ وہ عمل خالص ہو (۲) یہ کہ وہ صواب ودرست ہو۔

قاضی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: عمل اگر خالص ہو اور درست نہ ہو تو مقبول نہیں ہوگا اور اس کے برعکس اگر درست ہو مگر خالص نہ ہو تب بھی شرف قبولیت نہیں پائے گا، حتی کہ خالص وصواب ہو جائے اور خالص وہ ہے جو اللہ عزوجل کے لیے انجام دیا جائے اور صواب وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ (جامع العلوم والحکم ص ۷۲)

قارئین کرام! اخلاص فی العمل کی اہمیت علماء اسلاف کے ان اقوال کی روشنی میں واضح ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تبارک وتعالی بندوں سے صرف خلوص وللّٰہیت سے انجام دی گئی عبادتوں کو ہی قبول فرماتا ہے، لہذا جس عمل میں یہ وصف مفقود ہوا گویا وہ عمل کھوٹا اور قبولیت کے معیار سے فروتر ہوا، اسلامی عبادات میں توبہ وانابت بھی نہایت باعزیمت عمل ہے اور اس کی تاکید اللہ سبحانہ وتعالی نے متعدد آیات سے اپنی کتاب مبارک میں کی ہے اور رسول اکرم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں اس کی ترغیب دلائی ہے، اور خود ایک دن میں سو سے زائد بار توبہ واستغفار کرکے امت کے لیے بہترین اسوہ ونمونہ چھوڑا ہے توبہ کا دروازہ ہر خطا کار کے لیے کھلا ہے حتی کہ دو میں ایک بات کا ظہور نہ ہو جائے۔

(۱) آدمی کی جانکنی کا وقت نہ آپہنچے، حدیث رسول ہے: "ان الله ليقبل توبة العبد ما لم يغرغر" (ترمذی) اللہ تبارک وتعالی بندے کی توبہ تب تک قبول فرماتا ہے جب تک کہ اس کی جانکنی کا وقت نہ آپہنچے۔

لہذا اگر نزع وجانکنی کی کیفیت طاری ہونے سے قبل بندہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تبارک وتعالی اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

(۲) سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے کیونکہ اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، حدیث رسول ﷺ ہے: "من تاب قبل أن تطلع الشمس من مغربها تاب الله عليه"۔ (مسلم: ۲۷۰۳)

ائمہ کرام نے توبہ کے آداب وشرائط ذکر کئے ہیں جن کی رعایت اس جلیل القدر عبادت کی انجام دہی کے لیے ضروری ہے اور ان کا تذکرہ بھی یہاں موزوں معلوم ہوتا ہے، ذیل کی سطور میں ائمہ کرام کی مذکور شرطوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ اپنی کتاب مجالس شہر مضان میں توبہ کی مندرجہ ذیل پانچ شرائط شمار کی ہیں:

(۱) خالص اللہ عزوجل کے لیے توبہ کی جائے یعنی شرط اخلاص یہ اولین ہے توبہ کی شرائط میں سے اور توبہ کے صدور کا سبب اللہ کی محبت، عظمت، خوف ورجا اور حصول رضا ہو، اس سے کسی کی خوشامد اور چاپلوسی مقصود نہ ہو، ورنہ اسی توبہ شرف قبولیت نہ پائے گی۔

(۲) بندہ اپنے گذشتہ گناہوں پر پشیماں ورنجیدہ ہو اور یہ تمنی کرے کہ کاش اس سے یہ گناہ سرزد ہی نہ ہوتا تاکہ اس کی یہ انابت انکساری اور تواضع کا سبب بنے جب یہ کیفیت پیدا ہوگی تو اس کی توبہ عقیدہ وبصیرت پر مبنی ہوگی۔

(۳) فورا ہی گناہ سے دست کش ہو جائے، توبہ اگر کسی غلط کاری کے ارتکاب سے ہوا سے فورا چھوڑ دے اور اگر کسی فریضہ یا واجب عبادت کے چھوڑنے پر واجب ہوئی ہو تو اسے فورا انجام دے، ورنہ گناہ پر اصرار کے ساتھ توبہ نا قابل قبول ہوگی۔

(۴) مستقبل میں اس گناہ کی طرف کبھی پلٹ کر نہ جانے کا عزم مصمم کرے، کیونکہ یہی توبہ کا ثمرہ ہے اور توبہ کرنے والے کے صدق کی دلیل ہے، ورنہ تردد کے ساتھ کی گئی توبہ یا در پردہ گناہ کرنے کی نیت رکھتے ہوئے توبہ بے سود وعبث ہے۔

(۵) توبہ کی قبولیت کا وقت ختم ہونے سے پہلے ہو، ورنہ اگر حالت جانکنی یا سورج کے قرب قیامت مغرب سے طلوع ہونے کے بعد توبہ صادر ہوتو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

اور شیخ صالح بن غانم السدلان حفظہ اللہ جو کہ شریعہ کالج ریاض سعودی عرب کے سینئر پروفیسر ہیں توبہ کی شرائط کے ضمن میں رقمطراز ہیں کہ: توبہ اس وقت تک صحت ومقبولیت کا مقام حاصل نہیں کرسکتی جب تک کہ اس میں یہ شرائط متوفر نہ ہوں: (۱) خالص اللہ عزوجل کے لیے ہو (۲) معصیت سے دور ہونے کا قصد کرے کیونکہ گناہ کی کدورت عمل سے اخلاص کو خارج کردیتی ہے (۳) گذشتہ گناہوں پر ندامت کا اظہار (۴) گناہ کی طرف دوبارہ عود نہ کرنے کا عزم جازم (۵) گناہ پہ اصرار نہ کرنا (۶) توبہ صرف دل اور زبان سے نہ ہو بلکہ عمل صالح بھی توبہ پر دلالت کرے (۷) توبہ پر برابر قائم رہے اور اس کے مخالف اعمال کی انجام دہی سے بچ کر کیونکہ توبہ پر استمرار یہ اس کے مکمل اور نفع بخش ہونے کی شرط ہے (۸) قبولیت کے وقت میں توبہ کا صدور ہو یعنی جانکنی کے وقت اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے قبل توبہ کرے۔ (التوبۃ الی اللہ ص ۲۱-۲۴ باختصار)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے توبہ کی شرائط حقوق اللہ کے ضمن میں تین (۱) گناہ سے نکلنا (۲) گناہ کے ارتکاب پہ پشیمانی اور (۳) گناہ کی طرف عود نہ کرنے کا عزم، یہ تین شرائط شمار کی ہیں اور اگر معصیت حقوق العباد کے قبیل سے ہے تو اس پر ایک چوتھی شرط کہ اس حق سے بری ہو، اگر مالی حق ہو تو اس کو ادا کرکے اور اگر حد قذف وغیرہ کے قبیل سے ہو تو اس صاحب حق کو قدرت دے کر یا پھر عفو ودرگذر کی درخواست کرے۔ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے اگرچہ یہاں اخلاص کو توبہ کی شرائط شمار نہیں کیا ہے، مگر اس سے قبل یعنی باب التوبہ سے قبل مستقل طور پر باب الاخلاص واحضار النیۃ فی جمیع الاعمال والاقوال والاحوال البارزۃ والخفیۃ'' قائم کرکے اس سے مستغنی ہوگئے ہیں، اور جو اہل علم حضرات اسلاف کے اسلوب نگارش سے واقف ہیں، انہوں نے اسی سے مستفاد ہوکر اپنی تالیفات میں اس کو تالتر تیب توبہ کی شرائط شمار کرادیا ہے اور بعض احادیث رسول ﷺ کے عموم سے بھی یہی بات مترشح ہوتی ہے بطور نمونہ ایک حدیث پیش خدمت ہے:

عن أبی أمامة الباهلي رضی الله تعالی عنه قال جاء رجل الی النبي ﷺ فقال: أرأيت رجلا غزا يلتمس الأجر والذكر ماله؟ فقال رسول الله ﷺ لا شيء له، ثم قال: ان الله لا يقبل من العمل الا ما كان له خالصا وابتغی به وجهه. (رواه النسائی وحسنه الألباني رحمه الله في سلسلة الأحاديث الصحيحة).

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ایک آدمی اللہ کے راستے میں اجر وناموری کے لیے جہاد کرتا ہے تو اس کے لیے کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کچھ نہیں، پھر مزید فرمایا: اللہ اعمال میں سے صرف وہی عمل قبول فرماتا ہے جو خالص ہو اور اس کے ذریعہ اس کی خوشنودی چاہی گئی ہو۔

اللہ تبارک وتعالی ہمارے اعمال میں اخلاص پیدا کرے اور نصوص کتاب وسنت کو سلف صالحین اور ائمہ اسلام کے فہم پر سمجھنے کی توفیق دے، آمین۔ ☆☆

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری اورام القری لائبریری

مولانا محمد مظہر الاعظمی رمئو

مئوناتھ بھنجن اسلامی جامعات ومدارس اور خوبصورت صنعت پارچہ بافی کے لیے مشہور ہے، مگر کوئی ایسی معقول عوامی لائبریری نہیں جہاں کتابوں کے لیے رجوع کیا جاسکے، دانش کدہ لائبریری جسے محترم فضا ابن فیضی (وفات ۱۷/جنوری ۲۰۰۹ء) نے احباب کے تعاون سے قائم کیا تھا اور اپنے خون جگر سے سینچ کر عظیم الشان لائبریری بنایا تھا، لائبریری کی اپنی ذاتی عمارت نہ ہونے کی وجہ سے اور حالات کی کربنا کی کا شکار ہوکر مرحوم ہوگئی، جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

محلّہ ڈومن پورہ حبہ مئو جسے محترم فضا ابن فیضی اور ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری (وفات ۳۰/اکتوبر ۲۰۰۹ء) کا مولد ومسکن ہونے کا شرف حاصل ہے، یہاں کے چند باحمیت نوجوانوں نے ایک لائبریری قائم کرنے کا عزم کیا، جس کے نام کے لیے محترم فضا ابن فیضی کی طرف رجوع کیا، انہوں نے اس کے لیے ''ام القری'' کا نام منتخب کیا اور پھر ان کے منتخب کردہ نام سے لائبریری قائم کردی گئی۔

لائبریری کے قیام کا مقصد عوام وخواص خصوصا نوجوانوں کو اسلامی وادبی کتابوں کی طرف راغب کرنا اور ذوق مطالعہ پیدا کرنا تھا تاکہ ایک اچھے اور صالح معاشرہ کی تشکیل کے لیے ان کی ذہن سازی کی جاسکے، ذہن سازی کے لیے قلمی ماہنامہ ''نقوش'' جاری کیا گیا اور اس کے ساتھ حالات کے تقاضے کے مطابق فولڈر کی اشاعت اور تقسیم کا سلسلہ جاری کیا گیا۔

ابتداءً کچھ فولڈر میں نے لکھے، اس کے بعد ذمہ داران لائبریری نے ہمت کی اور ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری سے فولڈر لکھنے کی درخواست کی جسے انہوں نے بخوشی منظور کیا اور مسودہ کے ساتھ اشاعت کے لیے جزوی تعاون بھی پیش کیا، جو ''عید الفطر کے موقع پر احتساب کی ضرورت'' کے عنوان سے شوال ۱۴۲۴ھ مطابق نومبر ۲۰۰۳ء دوہزار کی تعداد میں عیدگاہوں میں تقسیم ہوا۔

ڈاکٹر صاحب کے اس مخلصانہ تعاون سے ذمہ داران لائبریری کو بڑا حوصلہ اور توانائی ملی اور پھر یہ سلسلہ چل پڑا، اس کے بعد جب بھی آپ سے درخواست کی جاتی آپ لکھتے جو طبع ہوکر عوام وخواص کے ہاتھوں میں پہنچ جاتا، ایک مرتبہ آپ نے فولڈر کا مسودہ بنارس سے اپنے صاحبزادے ڈاکٹر فوزان کے ذریعہ بھیجا، اور پھر فون کیا کہ میں نے مسودہ بھیج دیا مگر اس کا ایک صفحہ میز پر چھوٹ گیا ہے جسے انہوں نے ٹیلی فون ہی پر املا کرایا۔

ڈاکٹر صاحب نے کل سات فولڈر مختلف عناوین سے مختلف مواقع پر لکھے، جس کی فہرست درج ذیل ہے۔

عناوین	سنہ اشاعت وتعداد	
(۱) عید الفطر کے موقع پر احتساب کی ضرورت	شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ مطابق نومبر ۲۰۰۳ء	تعداد: دوہزار (۲۰۰۰)
(۲) عید الفطر اور اس کی معنویت	شوال المکرّم ۱۴۲۵ھ مطابق نومبر ۲۰۰۴ء	تعداد: دوہزار (۲۰۰۰)
(۳) عید قرباں اور مسلمان	ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ مطابق جنوری ۲۰۰۶ء	
(۴) عید الفطر کے موقع پر امت کے لیے قابل غور نقاط	شوال المکرّم ۱۴۲۷ھ مطابق اکتوبر ۲۰۰۶ء	

(۵) طہارت اور صفائی کا دینی واخلاقی پہلو ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ مطابق جنوری ۲۰۰۷ء
(۶) اسلام کی دعوت اور انسانیت کی ضرورت شوال المکرّم ۱۴۲۸ھ مطابق اکتوبر ۲۰۰۷ء
(۷)..... پاجا سراغ زندگی شوال المکرّم ۱۴۲۹ھ مطابق اکتوبر ۲۰۰۸ء

مذکورہ فولڈر اگر ایک طرف اس بات پر دال ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کا ام القری لائبریری سے کافی گہرا تعلق تھا تو دوسری طرف اس بات پر بھی غماز ہیں کہ ڈاکٹر صاحب معاشرے اور سماج کی تعمیر وترقی اور اصلاح کے لیے کس قدر فکرمند رہا کرتے تھے، فولڈروں کے عناوین سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ انہوں نے معاشرے اور سماج کا کتنی گہرائی سے مطالعہ کیا اور اس کے امراض وعلاج کی طرف کس قدر درد کے ساتھ اشارہ کیا، ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اصلاح امت کے لیے شاید کوئی نیا فارمولہ پیش نہیں کیا جاسکتا، قرآن وسنت اور قرون خیر کی زندگی کے مطالعہ سے جو چیز ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان صحیح طور پر توحید پر عمل پیرا ہوجائے، نبی ﷺ کی سنتوں کو دانتوں سے پکڑے، اپنے اندر دین کے لیے قربانی کا جذبہ پیدا کرے، اسلام نے جس اخوت وبھائی چارے کی تعلیم دی ہے اس کو عملی زندگی میں نمایاں کرے، تاکہ مسلمان کے مابین اتحاد وتعاون کی فضا قائم ہو، اور آپس میں بھائی بھائی نظر آئیں، اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اتحاد ویکجہتی کی تعلیم دی ہے، اور مسائل کو حل کرنے کے لیے جو تاکیدی حکم دیا ہے، اس کو سامنے رکھ کر جب مسلم معاشرے کے حالات پر غور کیا جاتا ہے تو سخت تکلیف ہوتی ہے''۔ (عیدالفطر کے موقع پر احتساب کی ضرورت)

مسلمان اپنے تہوار تو اب بھی مناتا ہے بلکہ پہلے سے زیادہ احترام واہتمام سے مناتا ہے مگر معنویت سے عاری وخالی، اس لیے ڈاکٹر صاحب تہوار کو مناتے وقت معنویت کو ملحوظ رکھنے پر کافی زور دیا کرتے تھے، جس کا ذکر عید کے خطبوں میں کرتے اور اپنی تحریروں میں بھی، فولڈر کی فہرست میں آپ نے دیکھا کہ ''عیدالفطر اور اس کی معنویت'' کے عنوان سے فولڈر ہی تحریر فرمایا، ''عید قرباں اور مسلمان'' میں تہوار کی معنویت پر زور دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''عیدالاضحیٰ کے موقع پر ہمارے سامنے ابراہیم علیہ السلام اور محمد ﷺ کی پاک زندگیاں اور ان کی مفید تعلیمات کا رہنا ضروری ہے، ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنے لخت جگر اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کی تھی، اور اللہ تعالی نے اس کی جگہ دنبہ کو قربان کرایا تھا، پیغمبر اسلام نے اسی سنت ابراہیمی کو زندہ کرنے کے لیے قربانی کی اور اپنی امت کو قربانی کا حکم فرمایا۔

مذہب اسلام میں تہوار ایک بامقصد عمل ہے، دوسرے مذاہب کے تہواروں کی طرح لہو ولعب کا ذریعہ نہیں، اس لیے تہوار کے موقع پر اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے بلکہ ماضی کے آئینہ میں دیکھ کر مستقبل کے خطوط متعین کرنا چاہئے، ڈاکٹر صاحب ''عیدالفطر کے موقع پر امت کے لیے قابل غور نقاط'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''امت مسلمہ ایک ذمہ دار اور بامقصد قوم ہے، عیدالفطر کے پرمسرت موقع پر اسے ماضی قریب کے واقعات پر نظر ڈال کر مستقبل کا لائحہ عمل تیار کرنا چاہئے، امت کے لیے یہ احتسابی عمل ضروری ہے، اس کے بغیر وہ اپنے فرائض کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام نہ دے سکے گی''۔

عید قرباں کے موقع پر امت کا ہر فرد جذبہ قربانی سے سرشار ہوتا ہے مگر معاشرہ کی صفائی کے لیے جو قربانی مطلوب ہوتی ہے اس

سے بالکل بیزار ہوتا، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قربانی کے فضلات سے پیدا ہونے والا تعفن اگر ایک طرف مختلف امراض کا سبب بنتا ہے تو دوسری طرف صفائی وستھرائی کے معیار کو اسی پیمانے سے ناپا جاتا ہے، ڈاکٹر صاحب اس معاملہ میں کافی حساس واقع ہوئے تھے، یہی وجہ ہے کہ ''مجلس ندائے وقت'' مئو کے زیر اہتمام عید قرباں کے موقع پر بینروں اور پوسٹروں کے ذریعہ عوام میں صفائی کے لیے بیداری پیدا کرنے کی مہم چلاتے، ''طہارت اور صفائی کا دینی واخلاقی پہلو'' میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''صفائی سے متعلق اسلامی تعلیمات کی معنویت وافادیت سمجھنے کے لیے ہمیں ان تمام احکام کے مطالعہ کی ضرورت ہے، جن کا تعلق انفرادی یا اجتماعی زندگی سے ہے، اسی طرح زندگی کے ہر مرحلہ اور ہر پہلو کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، مگر اس مقام پر اختصار مطلوب ہے، اس لیے صفائی سے متعلق اسلام کے بعض احکام ہی کا ذکر کیا جائے گا، اور وہ بھی عید الاضحیٰ کے تناظر میں جبکہ صفائی سے متعلق امور پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہوتی ہے''۔

ڈاکٹر صاحب نے ام القری لائبریری کے لیے جو آخری فولڈر تحریر فرمایا اس کا عنوان ہے: ''..... پاجا سراغ زندگی'' اس فولڈر ڈاکٹر صاحب نے ایک عنوان قائم کیا ہے: ''زندگی کی حقیقت اور اس کا مقصد'' جس کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''دنیا میں رہنے والے ہر متنفس کے لیے ضروری ہے کہ وہ زندگی کی حقیقت اور اس کے مقصد پر غور کرتا رہے تاکہ اسے کسی مرحلہ پر بے اطمینانی سے سابقہ نہ پڑے، زندگی سے متعلق فلاسفہ اور سماجی مصلحین کا نقطۂ نظر اپنی جگہ مفید ہوسکتا ہے، لیکن اسلام نے انسان کی حقیقت اور اس کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر زندگی کی جو حقیقت اور اس کا جو مقصد متعین کیا ہے، اس کی معنویت اور برتری کا جواب نہیں، اسلام کی نظر میں بچپن سے بڑھاپے تک کی زندگی ذمہ داری اور آزمائش سے عبارت ہے، اور دنیا میں انسانی وجود کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی عبادت کرے پھر اس نے عبادت کی ایسی جامع تشریح کی ہے کہ ہر طرح کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کو اس اپنے اندر سمولیا ہے۔

گذشتہ سال بھی ڈاکٹر صاحب سے حسب روایت رمضان المبارک میں عید الفطر کے لیے فولڈر لکھنے کی درخواست کی گئی تھی اور وہ آمادہ بھی ہوگئے تھے مگر بعد میں اپنی مصروفیات اور بیماری کی وجہ سے معذرت کردی، کسے معلوم تھا کہ اب ہم ان کی نئی تحریر سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوجائیں گے۔

ڈاکٹر صاحب نے ام القری لائبریری کا تعاون صرف اپنی تحریروں سے ہی نہیں کیا بلکہ وقتاً فوقتاً کتابوں کے ذریعہ بھی لائبریری کا تعاون فرماتے اور مشوروں سے نوازتے رہتے تھے وہ چاہتے تھے کہ یہ لائبریری ایک عظیم الشان لائبریری کی شکل اختیار کرے، اس کے لیے انہوں نے توصیہ لکھنے کے لیے کہا تھا تاکہ اس توصیہ کی بنیاد پر کتابیں اور رسائل وجرائد بھی حاصل کئے جاسکیں جو لائبریری کا اصل سرمایہ ہوا کرتے ہیں مگر مشیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا اور ام القری لائبریری اپنے عظیم محسن اور ان کے توصیہ سے محروم ہوگئی۔

ڈاکٹر صاحب کی وفات کے بعد ذمہ داران لائبریری نے سوچا کہ ان کی گراں قدر تحریریں جو فولڈرس کی شکل میں چھپیں اور تقسیم ہوگئیں وہ بہت دنوں تک محفوظ نہیں رہ سکتیں اور اگر ضائع ہوگئیں تو یہ بہت بڑا علمی خسارہ ہوگا جس کی تلافی ممکن نہیں، اس لیے ''نقوش ازہری'' کے نام سے کتابی شکل میں جمع کردیا جائے تاکہ محفوظ ہوجائیں، اس کے بعد استاد محترم مولانا محمد اعظمی سابق شیخ الجامعہ جامعہ عالیہ عربیہ مئو سے مقدمہ لکھنے کی درخواست کی گئی جسے انہوں نے منظور فرمایا اور پھر ''نقوش ازہری'' عزیزم شفیق الرحمٰن وعزیز الرحمٰن (مکتبۃ الفہیم) کے تعاون سے چھپ کر منظر عام پر آگئی، اس طرح ڈاکٹر صاحب کی یہ تحریریں محفوظ ہوگئیں۔ ☆☆

ملک وقوم کی صلاح وفلاح کے لیے قرآنی ہدایات

محمد اسامہ محمد سلمان رف ۲
متعلم جامعہ سلفیہ، بنارس

قرآن مجید ایک آسمانی کتاب ہے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی، یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی تلاوت عبادت کا درجہ رکھتی ہے، یہ تمام آسمانی کتابوں سے ممتاز اور منفرد ہے، یہ ایک معجز کتاب ہے جس کے ذریعہ عرب کے فصحاء وبلغاء اور ماہر زبان دانوں کو چیلنج کیا گیا، یہ ایسی کتاب ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو غور وفکر اور تدبر وتفکر سے پڑھے تو وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ہمارا ضابطۂ اخلاق وضابطۂ حیات ہے، انسانی زندگی کی کامیابی وکامرانی، نجات وسعادت اسی میں مضمر ہے، یہ حکمت ونصیحت کا منبع وسرچشمہ ہے، قرآن کریم میں جہاں بہت سی ہدایات ورہنمائیاں موجود ہیں وہیں ملک وقوم سے متعلق ایسی رہنمائی بھی موجود ہے، جس پر ہم عمل پیرا ہوکر ایک عمدہ وبہترین اور مثالی نظام قائم کرسکتے ہیں۔

اسلامی حکومت کی بنیاد:

اس تعلق سے قرآن ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ اسلام میں حکومت کا اختیار قوم کے ہاتھ میں ہے اور یہ حکومت تمام قوم سے مشورہ حاصل کرتی ہے، اس حکومت کا صدر مسلمانوں کا امام یا خلیفہ ہوتا ہے جو اسلامی شریعت کو نافذ کرتا ہے، مگر خلیفہ کو معزول کرنے یا مقرر کرنے کا اختیار قوم ہی کو حاصل ہے، اللہ نے مومنوں کی شان میں فرمایا: ﴿و أمرهم شورى بينهم﴾ (۱)

ترجمہ: اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔ (جونا گڈھیؒ)

اور اللہ نے خود نبی کریم ﷺ سے فرمایا: ﴿وشاورهم في الأمر﴾ (۲)

ترجمہ: اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں۔ (جونا گڑھی)

چنانچہ آپ ﷺ اپنے صحابیوں سے ان تمام سیاسی، فوجی، مالی اور عام مفادات میں مشورہ لیتے تھے جن کے بارے میں کتاب اللہ کی صریح ہدایت نہیں ملتی تھی، لہذا یہ بات بکثرت دلائل سے ثابت ہے کہ اسلام میں عدالتی اور سیاسی قانون سازی کا حق قوم ہی کو حاصل ہے (جس کا استمداد شرع سے ہوگا) اور اسلامی حکمرانی کا یہ بنیادی اصول انسانوں کی سب سے بڑی سیاسی اصلاح ہے۔ (۳)

(۱) الشوری: ۳۸۔ (۲) آل عمران: ۱۵۹۔ (۳) الوحی المحمدی ص: ۳۶۹۔

حکومت کا مقصد:

قرآن کریم کی نظر میں حکومت کا مقصد نیکی، انصاف اور قانون الٰہی کا قیام ہے، جیسا کہ اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا: ﴿الذين إن مكناهم في الأرض أقاموا الصلاة وآتوا الزكاة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر ولله عاقبة الأمور﴾ (۱)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جمادیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں، تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔ (جونا گڈھی)

اس آیت کریمہ میں اسلامی حکومت کے مقصد وجود اور اس کے بنیادی فرائض کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ خالص سیاسی حکومتوں کی طرح اس کا کام صرف یہ نہیں کہ ملک کے اندرونی امن اور خارجی سرحدوں کی حفاظت کریں اور ملک کے مادی خوشحالی کے لیے کوشاں ہو، بلکہ ایک اسلامی حکومت ہونے کی حیثیت سے اولین فریضہ یہ ہے کہ نماز وزکاۃ قائم کرے، بھلائی کو فروغ دے اور برائیوں سے روکے۔

اسلامی حکومت کا نام ایسی حکومت کو زیب نہیں دیتا جس کے حدود میں زنا، شراب، قمار بازی، فحش لٹریچر، فحش تماشوں، فحش گانوں، مخلوط تعلیم، تبرج جاہلیت اور اختلاط مرد وزن کا عام رواج ہو اور ان صریح منکرات پر کوئی قدغن نہ ہو، تو ضروری ہے کہ ایک اسلامی دستور میں لازماریاست کو ان فرائض کا پابند ہونا چاہئے جنہیں قرآن اس کے بنیادی فرائض میں شمار کرتا ہے۔ (۲)

اسلامی ریاست کے قواعد واصول حکمرانی:

اسلامی ریاست کے قواعد اور اسلام کے اصول حکمرانی مختصراً حسب ذیل ہیں:

- اسلامی ریاست کا بنیادی قاعدہ اور اصل اول یہ ہے کہ حاکمیت صرف اللہ تعالی کی ہے، اس ریاست کا حکمراں (خلیفہ) مطلق العنان نہیں، بلکہ قرآن وحدیث کے تابع اور ماتحت ہوتا ہے، احکام اسلام اور ہدایت الٰہیہ کے دائرے سے تجاوز کرنے کا اسے اختیار نہیں، قانون خداوندی کو سب پر بالاتری اور تفوق حاصل ہے۔
- دوسرا قاعدہ اور اصل ریاست کا عدل بین الناس ہے یعنی قانون سب کے لیے یکساں ہے، اور وہ مملکت کے ادنی ترین آدمی سے لے کر سربراہ مملکت تک سب پر یکساں نافذ ہوگا، کسی کے لیے بھی قانون میں امتیازی سلوک کی گنجائش نہیں۔
- تیسرا اصول مساوات بین المسلمین ہے، یعنی تمام مسلمانوں کے حقوق بلحاظ رنگ ونسل وزبان ووطن بالکل برابر ہیں، کسی فرد، گروہ، طبقے یا نسل وقوم کو اس ریاست کے حدود میں نہ امتیازی حقوق حاصل ہو سکتے ہیں اور نہ کسی کی حیثیت کسی دوسرے کے مقابلے میں فروتر قرار پاسکتی ہے۔
- چوتھا قاعدہ اور اصول اسلامی ریاست کا یہ ہے کہ حکومت اور اس کے اختیارات اور اموال خدا اور مسلمانوں کی

(۱) الحج: ۴۱۔ (۲) خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت، ص: ۵۳۶۔

امانت ہیں جنہیں خداترس، ایمان دار اور عادل لوگوں کے سپرد کیا جانا چاہئے، اس امانت میں کسی شخص کو من مانے طریقے پر یا نفسانی اغراض کے لیے تصرف کرنے کا حق نہیں ہے اور جن لوگوں کے سپرد یہ امانت ہو وہ اس کے لیے جواب دہ ہیں۔

● پانچواں قاعدہ اور اصول اطاعت فی المعروف ہے یعنی حکومت کی اطاعت صرف معروف میں واجب ہے، معصیت میں کسی کو اطاعت کا حق نہیں پہنچتا، اس قاعدے کی رو سے حکومت اور حکام کا صرف وہی حکم ان کے ماتحتوں اور رعیت کے لیے واجب الاطاعت ہے جو قرآن وحدیث کے قانون کے مطابق ہو، قانون کے خلاف حکم دینے کا نہ انہیں حق پہنچتا ہے اور نہ کسی کو اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔

● چھٹا قاعدہ اور اصول اسلامی ریاست کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اقامت صلاۃ اور نظام زکاۃ کا قیام ہے۔

یہ ہیں وہ مختصر قواعد واصول جن پر ایک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آتا ہے۔(۱)

اصول انتخاب:

رئیس حکومت، وزراء، اہل شوری اور حکام کے انتخاب میں کیا امور ملحوظ رہنے چاہئیں، اس باب میں قرآن کی ہدایات یہ ہیں: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل﴾ (۲)

ترجمہ: اللہ تعالی تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ اور جب فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو۔(جونا گڈھی)

﴿إن أكرمكم عند الله أتقاكم﴾ (۳)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک تم میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔(جونا گڈھی)

﴿ولا تطيعوا أمر المسرفين﴾ (۴)

ترجمہ: بے باک حد سے گذر جانے والوں کی اطاعت سے باز آجاؤ۔(جونا گڈھی)

﴿ولا تطع من أغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه وكان أمره فرطا﴾ (۵)

ترجمہ: دیکھ اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گذر چکا ہے۔(جونا گڈھی)

ان تمام آیتوں سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ رئیس حکومت، وزراء، اہل شوری اور حکام کو منتخب کرتے وقت ان اوصاف کو مدنظر رکھنا چاہئے جو مندرجہ بالا آیتوں میں مذکور ہیں۔(۶)

---

(۱) (۲) النساء:۵۸۔

(۳) الحجرات:۱۳، واسلامی ریاست، ص:۳۷۶۔ (۴) الشعراء:۱۵۱۔

(۵) الکہف:۲۸۔ (۶) اسلامی ریاست، ص:۶۴۸۔

اسلام میں عدل ومساوات:

نظام عدل کو قرآن میں بنیادی اہمیت دی گئی ہے اور مسلمانوں کو حکما اپنے معاملات عدل کے ساتھ درست کرنے کا پابند کیا گیا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وأنزلنا إليك الكتاب بالحق مصدقا لما بين يديه من الكتاب ومهيمنا عليه فاحكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهواء هم عما جاء ك من الحق﴾۔ (۱)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے، اس لیے آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ حکم کیجئے، اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جائیے۔ (جونا گڈھی)

﴿إن الله يأمركم بالعدل والاحسان﴾ (۲) ترجمہ: اللہ تعالی عدل کا بھلائی کا حکم دیتا ہے۔ (جونا گڈھی)

اسی طرح قرآن کے نزدیک مجرموں کے خلاف محض قانون کا نفاذ سب سے کم درجہ میں انصاف کی فراہمی ہے، عدل وانصاف کا بلند ترین درجہ تو لوگوں میں اخلاقی معیار کو بلند کرنا ہے اور انہیں روحانی طور پر اونچا کرنا ہے، اس اخلاقی معیار کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی دشمن سے بھی کوئی جرم سرزد ہوجائے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ انصاف کریں اور زیادتی سے گریز کریں، ارشاد ربانی ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ولا يجرمنكم شنآن قوم على ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى﴾۔ (۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے خاطر حق پر قائم ہوجاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کردے، عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔ (جونا گڈھی)

﴿يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله ولو على أنفسكم أو الوالدين والأقربين إن يكن غنيا أو فقيرا فالله أولى بهما فلا تتبعوا الهوى أن تعدلوا﴾۔ (۴)

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ مقدموں میں ان کی شہادتیں ہمیشہ اللہ کی رضامندی کے لیے ہوں، اپنی ذاتی خواہش یا کسی مصلحت کے لیے نہ ہو خواہ وہ شہادت خود ان کی ذات، ان کے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، شہادت میں نہ امیر کی امیری اور نہ غریب کی مفلسی پر رحم کھایا جائے۔

چنانچہ قرآنی دستور کی یہ دفعہ تاریخ دستور سازی میں تا قیامت روشنی کا معیار ثابت ہورہی ہے، یہ صرف قرآنی دستور کی عظمت ہے کہ اس میں ایسی دفعہ موجود ہے اور غالبا دنیا کے اکثر آئین ایسی دفعات سے محروم ہیں۔ (۵)

---

(۱) المائدہ: ۴۸۔ (۲) النحل: ۹۰۔

(۳) المائدۃ: ۸۔ (۴) النساء: ۱۳۵۔

(۵) نقوش رسول نمبر ج ۱۱ ص ۶۶۵، شمارہ ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۵ء۔

احکام ومعاملات میں نیکی کا تصور:

جوکوئی کتاب وسنت کے احکام پرغور وخوض کرلے گا خواہ وہ احکام شخصی یا شہری یا فوجی معاملات ہوں وہ یہ ضرور محسوس کرے گا کہ تمام احکام ومعاملات کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہر حیثیت سے نیکی کے تصور کو قائم رکھا جائے اور حق وانصاف، ایفائے عہد، محبت وشفقت، ہمدردی واحسان کے اثرات غالب رہیں، اور ظلم وستم، بدعہدی، بے وفائی، جھوٹ، خیانت، سنگدلی، دغابازی، مکروفریب، سودخوری اور رشوت ستانی کا خاتمہ ہو۔(۱)

فلاح عامہ:

﴿وفي أموالهم حق للسائل والمحروم﴾ (۲)

ترجمہ: اوران کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق ہے۔(جونا گڈھی)

﴿خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليها﴾ (۳)

ترجمہ: آپ ان کے مالوں میں صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک وصاف کردیں اوران کے لیے دعا کیجئے۔(جونا گڈھی)

یہ دونوں آیتیں تصریح کرتی ہیں کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ایک اہم فرض زکاۃ کی تنظیم ہے اوراس کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے حدود کے اندر تمام ان لوگوں کی کفیل بنے جو مدد کے محتاج ہوں اور وسائل رزق سے محروم رہ گئے ہوں۔(۴)

یہ چند چیزیں قرآن کے نظام سیاست کے تعلق سے تھیں جن کو میں نے اختصار کے ساتھ یہاں بیان کردیا ہے، چنانچہ اس کے علاوہ اور بھی رہنمائیاں قرآن میں موجود ہیں۔

آخر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں قرآن کے سیاسی رہنمائی کو سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائے تاکہ اس پر عمل پیرا ہوکر ایک مثالی نظام قائم کیا جاسکے، آمین۔تقبل یا رب العالمین۔

☆☆☆

(۱) الوحی المحمدی ص:۳۸۴۔ (۲) الذاریات:۱۹۔

(۳) التوبۃ:۱۰۳۔ (۴) اسلامی ریاست ص:۳۹۲۔

پاکدامنی: مفہوم واہمیت

سعید الرحمٰن عبد المجید سلفی

اسلام ایک کامل دین ہے جس نے انسانی زندگی کے کچھ اصول وضوابط بتلائے ہیں جن کو اپنا کر ایک انسان اپنی دنیا وآخرت دونوں سنوار سکتا ہے، انسانی زندگی کے من جملہ قواعد وضوابط میں سے ایک ضابطہ پاکدامنی کا ہے جس سے آراستہ ہونا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

اللہ رب العالمین نے بے شمار مقامات پر پاکدامنی اور پاکدامن مردوں اور عورتوں کی مدح فرمائی ہے، اللہ رب العالمین قرآن مجید کے اندر پاکدامنی کی طرف ترغیب دلاتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ولا تكرهوا فتياتكم على البغاء ان أردن تحصنا لتبتغوا عرض الحياة الدنيا ومن يكرههن فإن الله من بعد اكراههن غفور رحيم﴾۔ (سورہ نور:۳۳)

تمہاری جو لونڈیاں پاکدامن رہنا چاہتی ہیں، انہیں دنیا کے فائدہ کی غرض سے بدکاری پر مجبور نہ کرو، اور جو انہیں مجبور کردے تو اللہ تعالی ان پر جبر کے بعد بخش دینے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔ (ترجمہ مولانا محمد جونا گڈھی)

قرآن مجید میں پاکدامنی کے لیے احصان کا لفظ استعمال ہوا ہے جو چار معنوں میں مستعمل ہے:

(۱) شادی (۲) آزادی (۳) پاکدامنی (۴) اسلام

لیکن اکثر مقامات پر پاکدامنی ہی مراد ہے، اور پاکدامنی سے مراد یہ ہے کہ مرد اور عورت اپنی شرمگاہ کو ناجائز اور حرام طور پر استعمال نہ کریں۔

اللہ رب العالمین نے قرآن مجید کی بے شمار آیات میں شرمگاہ کی حفاظت وصیانت پر زور دیا ہے اور ایسا کرنے والوں کی مدح فرمائی اور ان کے لیے بڑی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے۔

﴿والحافظين فروجهم والحافظات والذاكرين الله كثيرا والذاكرات أعد الله لهم مغفرة وأجرا عظيما﴾۔ (سورہ احزات:۳۵)

اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں ان سب کے لیے اللہ تعالی نے وسیع مغفرت اور عظیم اجر وثواب تیار رکھا ہے۔ (ترجمہ مولانا محمد جونا گڈھی)

دوسری جگہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿والذين هم لفروجهم حافظون﴾ (سورۃ المعارج:۲۹)

اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی (حرام سے) حفاظت کرنے والے ہیں۔ (ترجمہ مولانا جونا گڈھی)

ان آیتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کے اندر پاکدامنی کی طرف بہت زیادہ ترغیب دلائی گئی ہے اور اسلام کی نظر میں پاکدامن مرد وعورت بہت زیادہ محبوب ومحمود ہیں۔

اللہ رب العالمین ایک اور مقام پر پاکدامنی اور شرمگاہ کی حفاظت پر زور دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم ذلك أزكى لهم ان الله خبير بما يصنعون﴾۔ (سورۃ النور:۳۰)

مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں، یہی ان کے لیے پاکیزگی اور پاکدامنی ہے اور لوگ جو کچھ کرتے ہیں اللہ سب سے خبردار ہے۔ (ترجمہ مولانا محمد جونا گڈھی)

اسی طرح اللہ رب العالمین نے عورتوں کو بھی پاکدامنی اختیار کرنے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے کی ترغیب دلائی ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:﴿وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن﴾ (سورۃ النور:۳۱)

اور مومنہ عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ (ترجمہ مولانا محمد جونا گڈھی)

اسی پاکدامنی اور عفت وعصمت کی حفاظت کے لیے اللہ رب العالمین نے ہر صاحب استطاعت پر شادی کو واجب قرار دیا ہے اور اس کی طرف ترغیب دلائی ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿وأحل لكم ما وراء ذلك من أن تبتغوا بأموالكم محصنين غير مسافحين﴾ (سورۃ النساء:۲۴)

اور ان عورتوں کے سوا یعنی (محرمات قرآن اور حدیث کے علاوہ) وہ عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرلو۔ (ترجمہ مولانا محمد جونا گڈھی)

اللہ رب العالمین کے نزدیک پاکدامن مرد وعورت اتنے محبوب ہیں کہ اللہ تعالی نے ان کی پاکدامنی پر انگلی اٹھانے والوں اور شک کرنے والوں کے لیے دنیا وآخرت میں لعنت اور سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے:﴿إن الذين يرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا في الدنيا والآخرة ولهم عذاب عظيم﴾۔ (سورۃ النور:۲۳)

جو لوگ پاکدامن بھولی بھالی مومنہ عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا وآخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔ (ترجمہ مولانا محمد جونا گڈھی)

اسی پاکدامنی اور پاکدامن مرد اور عورتوں کی اہمیت کے پیش نظر اللہ رب العالمین نے ان پر تہمت لگانے والوں پر حد نافذ کئے جانے کا حکم فرمایا ہے اور ان کی شہادت وگواہی کو مردود وباطل قرار دیتے ہوئے انہیں فاسق وفاجر گردانا ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة أبدا، وأولئك هم الفاسقون﴾ (سورۃ النور:۴)

جولوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کرسکیں، تو انہیں اسّی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، یہ فاسق لوگ ہیں۔ (ترجمہ مولانا محمد جونا گڈھی)

اس حد میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں، طرفین میں سے اگر کسی نے بھی اس جرم عظیم کا ارتکاب کیا تو اس جرم کی پاداش میں اس کو ۸۰/کوڑے بطور حد لگائے جائیں گے۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں پاکدامنی کی کتنی اہمیت ہے اور اس کا کیا مقام ومرتبہ ہے، اسی طرح احادیث رسول میں بھی پاکدامنی کی ترغیب دلائی گئی ہے اور انسان کی پاکدامنی اور اس کی عفت وعصمت کی حفاظت کا سب سے بہترین ذریعہ بلوغت کے بعد رشتہ ازدواج میں منسلک ہوجانا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء". (رواه الشيخان فى صحيحيهما)

اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جسے نکاح کرنے کی استطاعت ہو تو چاہئے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح نگاہ کو بچانے والا اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے والا ہے اور جسے نکاح کی استطاعت نہ ہو اس کے لیے روزے کا اہتمام والتزام ضروری ہے، اس لیے کہ روزہ اس کے لیے ڈھال ہے۔

اس حدیث کے اندر پاکدامنی اور حفظ فروج کا سب سے بہترین ذریعہ شادی کو بتلایا گیا ہے اور جس کے پاس شادی کی طاقت نہ ہو تو اسے روزہ رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

اسلام کی یہ ساری تدابیر اور ذرائع صرف اور صرف انسان کی پاکدامنی اور اس کی عفت وعصمت، عزت وناموس کی حفاظت کے لیے ہیں تاکہ انسان اسلام کے بیان کردہ ان اصول وضوابط پر عمل کرکے دنیا کے اندر پاکدامن اور ایک معزز ومکرم شخص کی حیثیت سے زندگی گذارے اور اللہ رب العالمین کے بیان کردہ انعام واکرام کا مستحق ہو۔

مندرجہ بالا سطور کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پاکدامنی اسلام کی ایک عظیم تعلیم ہے جس کی اہمیت وافادیت کو سمجھنا اور اس کی رعایت کرنا از حد ضروری ہے، پاکدامنی ہر انسان کے لیے ایک بیش قیمتی تحفہ ہے، جس کی حفاظت وصیانت ہر خاص وعام پر لازم وضروری ہے۔

اللہ رب العالمین ہم سب کو پاکدامن رہنے اور پاکدامنی کی اہمیت وافادیت کو سمجھنے اور کتاب وسنت کے مطابق اپنی حیات مستعار کو گذارنے کی توفیق دے۔

☆☆

اخبار جامعہ

طلباء کی تعلیم وتربیت سے متعلق ایک اہم میٹنگ

۲۸ رمئی ۲۰۱۱ء بروز سنیچر صبح ۱۰ ربجے دار الضیافہ میں طلباء کی تعلیم وتربیت پر غور وخوض کرنے اور اس میں بہتری اور سدھار لانے کے مقصد سے ایک میٹنگ ناظم اعلی جامعہ سلفیہ نے طلب کی، جس میں ناظم اعلی صاحب کے علاوہ صدر جامعہ، شیخ الجامعہ اور اساتذہ کرام موجود تھے۔

پوری میٹنگ طلباء کے تربیتی مسائل پر ہی مرکوز رہی، رہائش سے متعلق ضروری باتیں زیر بحث آئیں اور یہ طے پایا کہ رہائشی کمروں کی تقسیم میں عمر اور کلاس کو ملحوظ رکھا جائے اور چھوٹے بڑے بچوں کا اختلاط کمروں میں ہرگز نہ ہو، بلکہ کمرہ میں ایک ہی کلاس کے بچے رہیں، ضرورت پڑنے پر نگراں حضرات رات کو طلباء کی ان کے کمروں میں حاضری لیں اور اگر کسی طالب علم کو دیر رات دوسرے کمرہ میں پایا جائے تو اس پر سخت تادیبی کارروائی ہو۔

طلباء کے ہاسٹل میں کسی باہری شخص کو رات گذارنے کی اجازت نہیں ہے، اس کے لیے گیٹ کے نظام کو بھی درست کیا جائے اور کوئی باہری شخص خواہ وہ کسی طالب علم کا رشتہ دار کیوں نہ ہو اجازت کے بغیر جامعہ کے اندر نہ آئے۔

طلباء کے کمروں کی نگرانی کے لیے اساتذہ کا گروپ بنایا جائے اور ہر گروپ کے ذمہ چار کمروں کی نگرانی ہو اور یہ سلسلہ دَوری رہے، مقامی اساتذہ بھی نگرانی کے اس ضروری عمل میں شریک رہیں اور کبھی ہنگامی صورت میں وہ رات کو بھی آنے کی زحمت گوارہ کرلیں، نگراں استاد زیر نگراں طلباء سے متعلق کوئی بڑا فیصلہ نگرانی میں اپنا شریک مقامی استاذ کے مشورہ سے کرے۔

جامعہ کے طلبہ کے لیے کسی بھی قسم کے موبائل کے استعمال کی اجازت نہیں ہے، اس قانون پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے اور خلاف ورزی کی صورت میں سخت تادیبی کارروائی ہو۔

پان یا کسی نشہ آور چیز کا استعمال جامعہ کے اندر ممنوع ہے، خلاف ورزی کرنے والے طلباء اگر تنبیہ کے بعد بھی اسے ترک نہ کریں تو جامعہ سے ان کا اخراج کیا جائے۔

داڑھی ایک اسلامی شعار ہے، اس لیے جو طلباء داڑھی رکھنے کا اہتمام نہ کریں، ان کے خلاف بھی کارروائی ہو اور اصلاح نہ ہونے کی صورت میں انہیں بھی جامعہ سے خارج کیا جائے۔

نماز باجماعت میں طلباء کی حاضری بہت ضروری ہے، نمازوں میں طلباء کی حاضری لیا جاتا رہے اور اکثر یا مستقل غیر حاضر رہنے والے طلباء کے خلاف بھی سخت کارروائی ہو۔

تذکیر واصلاح کے مقصد سے مسجد جامعہ میں بعض نمازوں کے بعد وقتاً فوقتاً وعظ ونصیحت کی جائے جس میں طلباء کو التزام شرع اور تمسک دین کی ترغیب دی جائے، اور جامعہ کے قواعد وضوابط کی پابندی، پوری دلجمعی کے ساتھ تحصیل علم، صفائی ستھرائی کا اہتمام، بلا ضرورت جامعہ سے باہر جانے اور شہر کے تفریحی مقامات کی سیر کرنے سے گریز کرنے کی تلقین کی جائے۔

میٹنگ میں ذمہ داران کی طرف سے اس تربیتی عمل میں اساتذہ کرام کو پورا تعاون دینے کی یقین دہانی کرائی گئی، نیز دوران میٹنگ اساتذہ کرام کی چھٹیوں کو منضبط کرنے اور اضافی تنخواہ سے اسے وضع کرنے کی بات بھی ذمہ داران نے کہی۔ ☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

☆حج وعمرہ خدمات کو بہتر بنانے کے لیے پروجیکٹ کا اعلان:

جامعہ ام القری مکہ معظّمہ نے مملکت سعودی عرب میں حج وعمرہ کو بہتر بنانے کے لیے ایک عظیم الشان ٹیکنو پروجیکٹ کا اعلان کیا ہے، جس کے تحت متعدد نئی تکنیک اور صنعتوں کو فروغ دیا جائے گا، اس کی تکمیل میں تحقیقاتی اداروں کا اہم رول رہے گا، جس کے مقاصد میں حج وعمرہ خدمات کو بہتر بنانے کی غرض سے نئی ٹیکنالوجی کو فروغ دینا بھی شامل ہے۔

(ماہنامہ افکار ملی مئی ص ۳۷)

☆عرب ممالک فلسطینی ریاست کے حامی:

دوحہ: عرب لیگ کا کہنا ہے کہ وہ اقوام متحدہ میں ایک ایسی فلسطینی ریاست کو رکنیت دینے کی حمایت کرے گی، جس کا دارالحکومت مشرقی یروشلم ہوگا، اس بات کا فیصلہ دوحہ میں تنظیم کے اجلاس میں کیا گیا، جس میں فلسطینی رہنما محمود عباس نے بھی شرکت کی، انہوں نے اپنے اس عزم کو دوہرایا کہ اگر اسرائیل ٹھوس بنیاد پر مذاکرات کا آغاز نہیں کرتا تو وہ ستمبر میں اقوام متحدہ سے فلسطینی ریاست کو تسلیم کروانے کے لیے رجوع کریں گے۔ (آواز ملک بنارس ۳۱ رمئی)

☆حج کمیٹی آف انڈیا:

آل انڈیا حج کمیٹی نے واضح طور پر یہ بیان دیا ہے کہ جن عازمین حج کے نام قرعہ میں نکل آئے ہیں، وہ ۱۵ رجون تک اپنا پاسپورٹ اور ۳۱ رہزار روپے ہر حال میں جمع کردیں، بصورت دیگر ان کی سیٹ کینسل کردی جائے گی۔

حج کمیٹی کے جیف ایکزیکیٹو افسر ڈاکٹر شیخ شاکر حسین نے یو این آئی سے ٹیلی فون پر بات کرتے ہوئے کہا کہ سیٹیں کینسل ہونے کی صورت میں اسی ریاست کی ویٹنگ لسٹ سے سیٹیں جاری کی جائیں گی، اور اس اصول پر سختی سے عمل کیا جائے گا۔

(راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۳۱ رمئی)

☆☆☆

باب الفتاوی

کسی مصیبت میں مبتلا ہونے پر مرنے کی آرزو کرنا:

سوال: میں اپنی زندگی میں کئی ایسی مشکلات سے دوچار ہوئی کہ زندہ رہنا ناپسند کرنے لگی اور جب بھی اکتاہٹ ہوتی ہے اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ جلد از جلد میرا خاتمہ کردے، اور تاہنوز یہی میری تمنا ہے، کیونکہ میری نظر میں ان مصیبتوں کا حل صرف موت ہے، اور موت ہی اب اس تکلیف سے مجھے نجات دلاسکتی ہے، تو کیا اس صورت حال میں میرے لیے موت کی تمنا کرنا حرام ہے؟

جواب: کسی مصیبت میں مبتلا ہونے پر موت کی تمنا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے، جیسا کہ آپ نے فرمایا:

" لا يتمنين أحدكم الموت لضر نزل به فإن كان لابد متمنيا فليقل: اللهم أحيني ما علمت الحياة خيرا لي وتوفني ما علمت الوفاة خيرا". (۱)

تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت کی وجہ سے جو اسے پہنچے، موت کی تمنا نہ کرے، اور اگر اس کو تمنا کرنا ضروری ہی ہوجائے تو چاہئے کہ یوں دعا کرے:

" اللهم أحيني ما علمت الحياة خيرا لي وتوفني ما علمت الوفاة خيرا". (یعنی اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ، اور جب موت میرے لیے بہتر ہو تو مجھے موت دے دے)

لہذا کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی مصیبت، تنگی یا پریشانی کے وقت موت کی تمنا کرے بلکہ اس پر واجب ہے کہ صبر کرے اور اللہ تعالی کے یہاں اجر وثواب کی نیت کرے اور اس سے فراخی اور آسانی کی امید رکھے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"واعلم أن النصر مع الصبر وأن الفرج مع الكرب وأن مع العسر يسرا" (۲) یقین جانو کہ مدد اور کامیابی صبر کے ساتھ ہے اور فراخی وآسانی دکھ درد کے ساتھ ہے اور مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

کسی بھی مصیبت سے دوچار ہونے والے کو سمجھنا چاہئے کہ یہ تکالیف اس سے سرزد ہونے والے گناہوں کا کفارہ

(۱) بخاری، الدعوات، باب الدعاء بالموت (۶۳۵۱)، مسلم: الذکر والدعاء، باب کراھۃ تمنی الموت (۲۶۸۰)، ابوداود (۳۱۰۸)، ترمذی (۹۷۰)، نسائی (۱۸۲۱)، ابن ماجہ (۴۲۶۵)۔

(۲) صحیح ہے "الصحیحۃ" (۲۳۸۲)، اس کو حاکم (۶۳۰۳) اور احمد (۲۸۰۰) نے روایت کیا ہے۔

ہیں، کیونکہ مسلمان کو جو بھی رنج وغم اور تکلیف لاحق ہوتی ہے حتی کہ کانٹا چبھنے پر بھی اللہ اس کے صلے میں اس کو معاف کر دیتا ہے، نیز صبر کرنے والوں کا وہ بلند درجہ پالیتا ہے، جس کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وبشر الصابرين الذين اذا أصابتهم مصيبة قالوا إنا لله وإنا إليه راجعون﴾ (البقرۃ:۱۵۶) ''ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو جو مصیبت پڑنے کے وقت بول اٹھتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں''۔

عورت کا یہ خیال کہ اس کی مشکلات کا حل موت کے سوا کچھ نہیں، میری نظر میں ایک غلط خیال ہے، کیونکہ موت سے مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ اس کے مصائب میں اضافہ ہوسکتا ہے، چنانچہ بہت سے لوگ مشکلات اور تکالیف میں مبتلا ہوکر مر گئے، لیکن افسوس کہ وہ اپنے نفس پر زیادتی کرنے والے تھے، اپنے گناہوں پر پشیمان نہ ہوسکے اور نہ ہی اللہ کی بارگاہ میں ان کو توبہ کرنے کی توفیق ہوئی، اور اس طرح موت سے ان کی سزا وعذاب میں جلدی ہوئی، اگر وہ زندہ ہوتے اور اللہ بھی انہیں توبہ، استغفار، صبر وتحمل اور فراغت وآسانی کے انتظار کی توفیق دیتا، تو اس کے اندر ان کے حق میں خیر کثیر ہوتا ہوتا۔

لہذا تم پر واجب ہے کہ تم صبر اور اجر وثواب کی امید رکھو اور اللہ کی طرف سے فراخی اور آسانی کا انتظار کرو، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿فإن مع العسر يسرا، ان مع العسر يسرا﴾ (انشراح:۵،۶)

''یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے''۔

اور ایک صحیح حدیث کے اندر نبی ﷺ نے فرمایا:

"واعلم أن النصر مع الصبر وأن الفرج مع الكرب وأن مع العسر يسرا"۔ (۱)

یقین جانو کہ مدد اور کامیابی صبر کے ساتھ ہے اور فراخی اور آسانی دکھ کے ساتھ ہے اور مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

(شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)

۲۷ رویں رجب یا ۱۵ رویں شعبان کے موقع پر خوشی ومسرت کا اظہار:

سوال: ہمارے یہاں بعض مواقع پر کچھ رسم ورواج آباء واجداد سے چلی آرہی ہیں، مثلاً عید الفطر کے موقع پر کیک اور بسکٹ بنانا، ستائیسویں رجب اور پندرہویں شعبان کو گوشت اور میوے کے دسترخوان سجانا اور یوم عاشوراء کو انواع واقسام کی مٹھائیاں ضرور تیار کرنا، اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: شرعی حدود میں رہ کر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے ایام میں خوشی ومسرت کا اظہار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، نیز اسی طرح لوگوں کو کھانے پینے اور اس طرح کے دوسرے کام کرنے میں کوئی حرج نہیں، نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: "أيام التشريق أيام أكل وشرب وذكر لله عز وجل" (۲) ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کو یاد کرنے کے

(۱) ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر (۴۷)۔ (۲) مسلم: الصیام، باب تحریم صوم ایام التشریق (۱۱۴۱) ابوداود (۲۴۱۹) ترمذی (۷۷۳)۔

دن ہیں۔اس سے مراد عید الاضحیٰ سے متصل تین دن ہیں،لوگ ان دنوں میں قربانی کرتے ہیں اور اپنی قربانیوں کا گوشت کھاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، نیز ایسے ہی شرعی حدود میں رہ کر عید الفطر کے دن خوشی ومسرت کا اظہار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ ستائیسویں رجب یا پندرہویں شعبان کی رات یا یوم عاشوراء کو خوشی منانے کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ اس کی ممانعت ہے،اگر مسلمان اس طرح کی تقریبات میں مدعو ہو تو اسے وہاں نہیں جانا چاہئے،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة" (۱) تم نئے ایجاد کئے ہوئے امور سے بچو، کیونکہ (دین کے اندر) ہر نئی ایجاد کی ہوئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

بعض لوگوں کا یہ دعوی ہے کہ رجب کی ستائیسویں رات کو رسول اللہ ﷺ کو معراج ہوئی تھی، حالانکہ یہ تاریخی حیثیت سے ثابت نہیں اور ہر وہ چیز جو ثابت نہ ہو، باطل ہے اور جس کی بنیاد باطل پر ہو وہ باطل ہے، حتی کہ اگر بالفرض ہم مان بھی لیں کہ یہ واقعہ اسی رات میں پیش آیا تھا، تب بھی ہمارے لیے جائز نہیں ہے کہ ہم شعائر عید یا عبادات میں کچھ نئی چیز ایجاد کریں کیونکہ یہ چیز نہ تو نبی ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی آپ کے صحابہ کرام سے جو سب سے زیادہ آپ کے نزدیک تھے اور آپ کی سنت اور شریعت کی اتباع کرنے کے سب سے زیادہ حریص اور شیدائی تھے تو پھر کیوں کر ہمارے لیے جائز ہو سکتا ہے کہ ہم دین میں ایسی چیز ایجاد کریں جو نہ تو عہد نبوی میں تھی اور نہ ہی عہد صحابہ میں۔

حتی کہ پندرہویں شعبان کی رات کی عظیم یا اس کی شب بیداری سے متعلق کچھ بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے، بلکہ صرف بعض تابعین نے نماز اور ذکر سے اس کو زندہ رکھا ہے نہ کہ کھانے پینے، خوشی اور عید وتہوار کے شعار کے طور پر۔

اور رہا مسئلہ یوم عاشوراء کا تو نبی ﷺ سے اس دن روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "يكفر السنة الماضية" (۲) گذشتہ سال کے گناہوں کے لیے باعث کفارہ ہوتا ہے۔

اور عید یا غم وماتم کے شعار میں سے کسی بھی چیز کا اظہار کرنا جائز نہیں ہے، لہذا معلوم ہوا کہ اس دن مسرت کا یا غم کا اظہار خلاف سنت ہے اور نبی ﷺ سے اس دن کے روزہ کے علاوہ کچھ وارد نہیں ہے جب کہ آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ ہم یوم عاشوراء سے ایک دن پہلے بھی روزہ رکھیں تا کہ ہم یہود کی مخالفت کریں جو صرف اسی دن روزہ رکھتے تھے۔

(شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)

☆☆☆

(۱) صحیح ہے، صحیح الجامع (۲۵۴۹) اس کو ابوداود (۴۶۰۷) ترمذی (۲۶۷۶) ابن ماجہ (۴۲) اور حاکم (۳۲۹) نے روایت کیا ہے۔

(۲) مسلم: الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام (۱۱۶۲) ابوداود (۲۴۲۵) ترمذی (۷۵۲) ابن ماجہ (۱۷۳۸)۔